بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد للّٰہ وکفٰی وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ،أما بعد:

یہ دنیا قدرت کے عجائبات سے بھری پڑی ہے،ان عجائبات میں سب سے عجیب مخلوق ذاتِ انسانی ہے،انسان جس کے بارے میں خود ربُّ العرش فرماتے ہیں: ﴿لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ﴾

ترجمہ: ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا ہے۔

یقیناً اس کی ذات میں قدرت کے بہت سے عجائب جمع ہیں، اس لئے تو حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں:﴿وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ﴾

ترجمہ: اور خود تمہارے نفوس میں (بہت سی نشانیاں ہیں) تو کیا تم دیکھتے نہیں؟

ایک عربی شاعر فرماتے ہیں:

تظن بأنک جرم صغیر وفيك انطویٰ العالم الأکبر

ترجمہ: کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ تو ایک چھوٹا سا جسم ہے، جبکہ تجھ میں پورا عالمِ اکبر لپٹا ہے۔

اس کی یہ ''احسن تقویم میں پیدائش'' اس بات پر دال ہے کہ اِس کا مقام اِس دنیا میں اور آخرت میں بہت اونچا ہوگا، اچھے گلدستے لوگ خوبصورت محلات میں رکھتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس انسان کو اپنے ماسوا کی بندگی اور غلامی سے روکا ہے اور اسے صرف اپنا غلام بنایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ﴾

ترجمہ: اور میں نے جنات اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔

صرف اس ذاتِ واحد کی بندگی اور اُس کے علاوہ اِس مخلوق فی احسن تقویم کی شان اس کی خلقت اور اُس کی آزادی اسے اس بات سے روکتی ہے کہ وہ کسی اور کے سامنے اپنا سر جھکائے۔ لیکن اگر یہ مخلوق فی احسن تقویم اپنی آزادی، اپنی خلقت اور اپنے اس عالی رتبے پر فائز ہونے کی قدر نہ کرے تو پھر وہ ربّ جس نے اس کو احسن تقویم پیدا کیا ہے وہ پھر اس کو اسفل سافلین تک پہنچا دیتا ہے ﴿ثُمَّ رَدَدۡنٰہُ اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ﴾

آزادی اور غلامی ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہیں، اگر کوئی اپنے آپ کو ذاتِ واحد کا غلام بناتا ہے تو وہ لاکھوں اور کروڑوں کی غلامی سے بچ جاتا ہے اور اگر کوئی اپنے آپ کو آزاد مطلق سمجھ کر ذاتِ واحد کی غلامی سے منہ پھیرتا ہے تو لا محالہ وہ غلامی کے ایک اور جال میں پھنس جاتا ہے اور وہ ہے مخلوق کی غلامی۔

الغرض! آزادی کا راز غلامی میں پنہاں ہے، شاعرِ مشرق نے کیا خوب فرمایا ہے:

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

عبدیت اور حریت جیسی متضاد صفات کا آمیزہ انسان یقیناً قدرتِ الٰہی کا اعلیٰ نمونہ ہے، اور یہ صرف اسی قانون کے مطابق چل سکتا ہے جو اس کے خالق کی طرف سے اُس کے چلانے کے لئے مقرر ہے، دنیا میں تمام مصنوعات کا یہی قانون ہے کہ انہیں کمپنی کی

طرف سے مقرر کردہ قوانین کے مطابق جب چلایا جاتا ہے، تو وہ صحیح کام کرتے ہیں اور جب وہ اس قانون سے ہٹ کر استعمال کیے جاتے ہیں تو وہ اپنا کام روک لیتے ہیں۔ ڈیزل پر چلنے والی گاڑی میں ڈیزل ہی ڈالنا پڑے گا، اگر اُس میں پٹرول ڈالا جائے تو یقیناً اس کا انجن خراب ہو جائے گا، اسی طرح انسان بھی ہے۔

کارخانۂ قدرت کے علاوہ جتنے غیر فطری قوانین انسان کے لئے بنائے گئے انہوں نے انسان کو انسانیت ہی سے نکالا اور پھر جب خود اس حیوان صفت انسان نے اپنے آپ کے بارے میں سوچا تو وہ اس حد تک پہنچ گیا کہ وہ خود کو ایک حیوان اور درندہ تصور کرنے لگا، اور پھر اپنی سوچ میں اتنا آگے نکل گیا کہ وہ خالق سے بھی انکار کرنے لگا۔ الحاد کا یہ درجہ آج انتہا تک پہنچا ہوا ہے، جاہلیت کا وہ دَور جہاں انسان اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا، وہاں پر بھی کسی نے اللہ تعالیٰ کے خالقِ واحد ہونے سے انکار نہیں کیا تھا، قرآن کریم اس بات پر ناطق ہے:

﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾

ترجمہ: اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو بول اٹھیں گے کہ اللہ نے۔ (لقمان: ۲۵)

لیکن آج کی جاہلیت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ انسان اپنے خالق کا بھی انکار کر بیٹھا ہے اور وہ اپنی تخلیق کو محض ایک ارتقائی عمل سمجھا کہ وہ خود بخود بغیر کسی مؤثر کے وجود میں آیا، اور پھر وہ انسان کے تمام تہذیبوں (رسوم و رواج، عبادات وغیرہ) کو صرف اور صرف ایک ارتقائی عمل سمجھتا ہے۔ اب چونکہ انسان ان کے نزدیک ایک ہیومن ہے جو خود پیدا ہوا ہے اور ارتقائی مراحل سے گزر رہا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ یہ خود پیدا شدہ انسان اپنے لئے زندگی گزارنے کا راستہ (یعنی نظامِ زندگی) بھی خود متعین کرے۔

لیکن اس بناء الفاسد علی الفاسد مقدمات کو بمع نتائج نہ عقل تسلیم کرتی ہے اور نہ ہی نقل، بلکہ یہ مقدمات انسان (اشرف المخلوقات اور مخلوق فی احسن تقویم) کے بارے میں تو چھوڑیئے، اگر انسان کی کسی بنائی ہوئی چیز (جیسے گاڑی وغیرہ) کے بارے میں بھی پیش کیے جائیں اور نتیجہ نکالا جائے کہ وہ بغیر کسی موجد کے وجود میں آئی ہے تو شاید اس نظریے کا بانی بھی اُسے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ ہو گا۔

بہر حال! یہی الحاد (جو کہ پرانے زمانے میں کسی خاص مذہب کے نام سے جانا جاتا تھا، اب وہ) ایک متمدن اور عالمی شکل اختیار کر کے دنیا پر حکومت کر رہا ہے۔ جمہوریت اور لبرل ازم جیسے نظریات (جو آج پوری دنیا میں رائج ہیں اور جن کی ہر سطح پر مقبولیت عام کرنے کے لئے جدوجہد جاری ہے) در حقیقت انہی مقدمات پر مبنی نتائج ہیں۔ جمہوریت اور لبرل ازم انسان کو مکمل آزادی فراہم کرنے کے دعویدار ہیں۔ یہ ان مقدمات کا نتیجہ ہے جن مقدمات کا صغریٰ ہی ڈارون کا منحوس نظریہ ہے، جو تخلیق انسانی کو محض بخت واتفاق قرار دیتا ہے اور پھر جب وہ خود پیدا ہے تو چاہئے کہ وہ ہر قسم کے خارجی قوانین سے آزاد ہو اور وہ اپنے لئے خود قوانین بنائے۔

اب ہر شخص کے اغراض ومقاصد چونکہ الگ ہیں، اس لئے اگر کوئی اپنے لئے قانون بناتا ہے تو لا محالہ وہ دوسرے شخص کے بنائے ہوئے قانون سے ٹکرائے گا اور اس سے مکمل نظامِ زندگی میں فساد برپا ہو گا، اس لئے ضروری ہوا کہ ان میں ایک ایسا اتفاق پیدا ہو جائے کہ وہ متفقہ طور پر ایک دوسرے کے مفادات کو مد نظر رکھتے ہوئے کوئی قانون بنائے، لیکن تمام لوگوں کا اتفاق پھر بھی عادۃً ناممکن ہے، اس لئے ضروری ہے کہ جس بات پر اکثریت متفق ہو جائے وہی سب کا قانون ہو گا اور اس کے سامنے سب سرِ تسلیم خم ہوں

گے ،اس کے لئے ایک غیر فطری نظام وضع کیا گیا جسے آج کل جمہوریت کہا جاتا ہے۔

جمہوریت ،آزادی کے نام پر غلامی ہے ،ایک خدا کی غلامی سے انسان نے اپنے آپ کو آزاد کیا، لیکن لوگوں کی اکثریت کی غلامی میں پھنس گیا، وہی انسان جو خالق کا تابع نہیں ہوا اَب اپنی نوع کا عبد (یعنی غلام) بن گیا۔ گویا کہ آج کا متمدن اور مہذب انسان خود اپنے آپ کی پوجا کرتا ہے اور اس ترجیح بلا مرجح میں اس غیر فطری نظام کے سارے علمبر دار مبتلا ہیں۔

لبرل اِزم (جو کہ جمہوریت کی حقیقت اور ماہیت ہے یا اس کا لازم لاینفک ہے، یہ) ان تمام برائیوں کا مجموعہ (نظام) ہے جو ہم سے پہلی اقوام (اُممِ سابقہ) میں کسی فرد یا کسی قوم میں ہوا کرتی تھیں، پہلے کسی قوم میں سود تھا تو یہ نظام سود کا علمبر دار ہے، کسی قوم میں زنا عام تھی تو یہ نظام اس کا داعی ہے، کسی قوم میں (نعوذ باللہ) ہم جنس پرستی تھی تو یہ نظام اس کا محافظ ہے، مختصر یہ کہ تمام برائیوں کا علمبر دار نظام یہی نظام ہے۔ لیکن افسوس کہ آج خوشنما نعروں اور خوشنما ناموں کے ذریعے اس نظام کو انسان کی تمام ضروریات کو پورا کرنے والا اور انسان کی تمام مشکلات کو حل کرنے والا نظام متعارف کرایا جارہا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ نظام جس نام کے ساتھ بھی آجائے (چاہے وہ اپنے اصلی نام لبرل کے ساتھ ہو یا قومیت کے نام سے یا سرمایہ داری کے نام سے یا اسلامی کے نام سے آجائے) وہی طاغوتی اور باطل نظام ہوگا۔ یہی نظام ہے جس نے انسانیت کو تباہ و برباد کیا ہے اور اس کو انسانیت سے نکال کر بہائم (حیوانات) کی صف میں کھڑا کر دیا ہے۔ اس لئے اہلِ علم حضرات سے درخواست ہے کہ مقامی زبانوں میں اس نظام پر قرآن وسنت کی نگاہ سے روشنی ڈال کر عوام کے سامنے پیش کریں، اور آسان لہجہ میں اُن کو اس حقیقت سے آگاہ کریں۔

زیرِ نظر مکالمہ بندہ کے اُن مکالمات کا مجموعہ ہے جو بعض اہلِ علم اور طلبہ علم ساتھیوں سے مختلف مجالس یا دورانِ درس کیے گئے ہیں، پھر ان مکالمات کو 11 مئی 2013ء کے انتخابات کے ایام میں جمع کیا گیا، یہ وہ وقت تھا جب ہر طرف جمہوریت کے نعرے تھے اور سیاسی لوگوں کے درمیان مفادات کی جنگ جاری تھی، کوئی کہتا کہ ہمیں ووٹ دینا واجب ہے، تو کوئی دو قدم آگے بڑھ کر کہتا: فرض ہے۔

لیکن (الحمد للہ) اِس دفعہ ماضی کی طرح یہ جنگ یہاں تک محدود نہیں تھی، بلکہ کچھ اہلِ حق لوگ اس میں مصروف تھے کہ یہ ثابت کریں کہ یہ ساری جدوجُہد جمہوریت کے لئے ہے (جو کہ ایک باطل نظام ہے) اس لئے ووٹ دینا ہی درست نہیں۔ چنانچہ اس دوران کچھ ساتھیوں نے بندہ سے مطالبہ کیا کہ وہ بھی اس موقع پر کچھ لکھیں، لہٰذا بندہ نے ایک پمفلٹ لکھ کر ساتھیوں کے حوالے کیا جسے انہوں نے چھپوا کر بازاروں میں تقسیم کیا۔ چونکہ پمفلٹ میں سادہ طریقے سے آسان انداز میں دلائل موجود تھے اس لئے عامۃ المسلمین پر اس کے کافی اچھے آثار دیکھے گئے، جو کوئی مسلمان ایک بار دیکھتا تو اقرار کرتا، کہ یقیناً یہ بات حق ہے۔

اس دوران کچھ ساتھیوں نے مجھ سے اس موضوع پر ایک مفصل کتاب لکھنے کا مطالبہ کیا، لیکن اس کا موقعہ اب تک مجھے نہ مل سکا، البتہ اگر توفیقِ الٰہی شاملِ حال رہی تو ایک مفصل کتاب لکھنے کا ارادہ ہے۔ لیکن سرِ دست میرے دل میں یہ بات آئی کہ ایک چھوٹا سا مکالمہ اس موضوع پر لکھنا ضروری ہے جسے قسط وار نشر کیا جائے، لیکن جب شروع کیا تو مضمون قدرے طویل ہو گیا اور قسط وار نشر کرنا مشکل ہو گیا۔

اب جبکہ مضمون تیار ہو گیا تو نظرِ ثانی کے لئے کچھ ساتھیوں کو دیا، اُنہوں نے نظرِ ثانی کی اور اس کو نشر کرنے کا مشورہ دیا، اور اسے

شائع کرنے کا اصرار کیا، لیکن مضمون مختصر ہونے کی بنا پر اس کو مستقل نشر کرنا مجھے پسند نہ تھا۔ البتہ قاری شعیب صاحب حفظہ اللہ (جو میرے قریب ترین ساتھیوں میں سے ہیں اور ان کے علم پر مجھے پورا اِطمینان ہے، وہ) باعث بن گئے کہ میں اِس رسالے کو منظرِ عام پر لے ہی آؤں، چنانچہ اب وہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

چند ضروری باتیں

1- مکالمہ میں جو نام ''اسلم''کا استعمال کیا گیا ہے، یہ ایک فرضی نام ہے، وجہ یہ ہے کہ حقیقت میں یہ ایک مکالمہ نہیں بلکہ کئی مکالمات کا خلاصہ ہے جو مختلف لوگوں کے ساتھ ہوئے۔

2- چونکہ میں اُردو زبان میں بہت کمزور ہوں، اس لئے کچھ ساتھیوں نے اُردو کی اصلاح کی ہے، لیکن پھر بھی ممکن ہے کہ اس میں محاورات اور ادب کی کمزوری رہ گئی ہو جس پر بندہ معذرت خواہ ہے۔

3- بعض جگہوں پر کچھ علمی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں، اس لئے ممکن ہے کہ عوام (جن کا علمِ دین سے کوئی واسطہ نہیں، اُن) کے لئے مطالعہ کے دوران مشکلات ہوں، البتہ طلبۂ علم کے لئے مفید ہے، انہیں چاہئے کہ اس کا مطالعہ کرکے اس نظام کو عقلی اور نقلی انداز میں سمجھیں۔

4- چونکہ یہ مکالمات عموماً اُس وقت ہوئے ہیں جب ہم معقولات پڑھتے یا پڑھاتے تھے، اس لئے مکالمات میں کبھی کبھی علمِ معقول (منطق و فلسفہ وغیرہ) کی اصطلاحات بھی استعمال کی گئی ہیں۔

5- مکالمہ میں کبھی کبھی بات افہام و تفہیم کی غرض سے طویل ہو گئی ہے، اس لئے وہاں کچھ زیادہ توجہ کی ضرورت ہو گی، تاکہ التباس پیدا نہ ہو اور بحث کا مرکزی نقطہ نظروں سے غائب نہ ہو جائے۔

6- مکالمہ پڑھتے وقت شخصیت پرستی اور مصلحت پسندی جیسے پردوں کو ہٹانا ہو گا اور ساتھ ساتھ ہر قسم کے تعصب کو پسِ پشت ڈالنا ہو گا، تاکہ موضوع کو مکمل طور پر سمجھنا آسان ہو جائے۔

7- اگر کہیں کوئی غلطی نظر آئے تو اُس ایک غلطی کی وجہ سے پورے رسالے کو ردّ کرنا مناسب نہ ہو گا، بلکہ اگر ممکن ہو تو ہم سے رابطہ کیجئے، تاکہ وہ غلطی دُور کی جائے۔

8- چونکہ یہ مکالمہ ہے اس لئے اختصار مطلوب ہونے کی وجہ سے بہت سی جگہوں میں حوالہ جات عبارتاً نقل نہیں کیے گئے ہیں (اگرچہ بعض جگہوں میں باحوالہ عبارات موجود ہیں)

9- بعض جگہوں پر تکرار نظر آئے گا لیکن وہ فائدۂ جدید کی خاطر ہے۔

10- اگر مکالمہ میں کوئی بات ٹھیک ہے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی بات غلط ہے تو اُسے بندہ کی کمزوری سمجھئے۔

تلک عشرة کاملة

اہل سنت اور بعض اعمال کی وجہ سے تکفیر

یہ چند کلمات ہم صرف بطورِ وضاحت لکھتے ہیں، تاکہ قرآن وسنت اور اکابر علماء کے حوالوں کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جائے کہ اہلِ سنت کا مسلک قطعاً یہ نہیں ہے کہ کسی بھی عمل (گناہ) پر بندہ کافر نہیں ہوتا، چونکہ یہ مضمون بہت ہی اجمال کے ساتھ مکالمہ میں ذکر ہے، اس لئے قدرے تفصیل کے ساتھ کچھ حوالوں کا ذکر یہاں مناسب ہے۔

ایمان کا مسئلہ جو ایک انتہائی اہم مسئلہ ہے اس میں تین بڑے مذاہب بنتے ہیں:

ایک مذہب اہل سنت والجماعت کا، دوسرا مذہب خوارج و معتزلہ کا اور تیسرا مذہب جہمیّہ و مرجئہ کا۔

معتزلہ وخوارج کے نزدیک اعمال ایمان کے ایسے جزو ہیں کہ ان کے نابود ہونے کی وجہ سے ایمان نابود ہو جاتا ہے، یعنی اعمال مأمور بہا کا وجود اور اعمال منہی عنہا کا عدم ایمان میں سے ہے۔

جبکہ مرجئہ کے نزدیک اعمال ہدر (رائیگاں) ہیں اور دنیا میں وہ ایمان پر بالکل اثر انداز نہیں اور آخرت میں جنت سے مانع یا آگ کے موجبات نہیں ہیں۔

اور اہلِ سنت اعمال کو معتزلہ وخوارج کی طرح نہ تو جزو مانتے ہیں اور نہ مرجئہ وجہمیہ کی طرح ہدر سمجھتے ہیں، بلکہ اعمال ایمان کے مُکَمِّلات میں سے مانتے ہیں، البتہ بعض اعمال کے صرف کرنے سے بندہ ایمان سے خارج ہو کر کفر میں داخل ہو جاتا ہے اگرچہ اعتقاد نہ رکھتا ہو۔

پھر خوارج اور معتزلہ کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ ارتکابِ کبیرہ سے جب بندہ ایمان سے نکلتا ہے تو کیا کفر میں داخل ہو جاتا ہے یا نہیں؟

خوارج پہلے قول کے قائل ہیں (یعنی ان کے نزدیک مرتکبِ کبیرہ کافر ہے) جبکہ معتزلہ اس کو کافر نہیں سمجھتے، لیکن مُخلَّد فی النار سمجھتے ہیں۔

اب معتزلہ وخوارج کے نزدیک یہ قول کلیہ ہے کہ ہر کبیرہ کا مرتکب کافر ہے اور جہمیہ اور مرجئہ کے نزدیک یہ کلیہ ہے کہ مسلمان کسی بھی عمل سے کافر نہیں ہوتا جب تک جحود نہ ہو۔

اہلِ سنت کے بارے مشہور یہ ہے کہ وہ گناہ کی وجہ سے تکفیر نہیں کرتے، مگر یہ عام نہیں ہے، یعنی ایسا نہیں کہ بالکل کسی گناہ پر تکفیر نہیں کرتے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر گناہ پر وہ تکفیر نہیں کرتے، البتہ بعض پر کرتے ہیں اور بعض پر نہیں کرتے، یعنی ہمارے نزدیک بھی بعض اعمال ایسے ہیں جن سے (العیاذ باللہ) بندہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو کر کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔

اس بارے میں سب سے عمدہ دلیل غزوۂ تبوک میں ان لوگوں کے بارے میں نازل شدہ یہ آیت ﴿لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ﴾ (التوبہ: 66) ہے، جنہوں نے قراء صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں کچھ توہین آمیز الفاظ بطورِ مذاق استعمال کیے تھے اور یہ بات فقط مذاق اور استہزاء کی حد تک تھی جس میں کوئی اعتقاد نہیں ہوتا، اور قرآن اس بارے میں ان کی تصدیق بھی

کرتا ہے (کہ انہوں نے یہ باتیں اعتقاد سے نہیں کہی تھیں) بلکہ فقط مذاق اور استہزاء کی حد تک تھیں، اس لئے کہ جب انہوں نے عذر پیش کیا کہ ﴿اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ﴾ (التوبة:65) (یعنی ہم تو یوں ہی بات چیت اور دل لگی کر رہے تھے) تو بجائے اس کے کہ قرآن ان کی تکذیب کرتا (کہ نہیں! یہ لوگ گپ شپ نہیں لگا رہے تھے، بلکہ یہ باتیں انہوں نے اعتقاد سے کی ہیں) ان کے عذر میں پیش کی گئی دلیل کو ان کا جرم اور کفر کی دلیل قرار دیا: ﴿قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ استفہام کے ذریعے ان پر نکیر فرمائی، اور بعد میں بالکل صریح الفاظ ﴿لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ﴾ کے ذریعے ان کی تکفیر کی۔

اس سے پتہ چلا کہ ان کا یہ استہزاء (جو کہ عمل ہے) ان کے کفر کا سبب بن گیا، جس میں کوئی اعتقاد نہیں تھا۔ شانِ نزول کے لئے دیکھئے تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن کثیر رحمہااللہ۔

اس سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ بعض اعمال ایسے ہیں جو موجباتِ کفر ہیں (جیسے شعائر اللہ کی توہین، سجود للصنم اور شد الزنار وغیرہ) ان کے ارتکاب سے بندہ دائرہ اسلام سے خارج ہو کر کفر میں داخل ہو جاتا ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ مُرتکبین کو پتہ ہی نہیں تھا کہ استہزاء اور مذاق کفر ہے، ورنہ کفر سے بچنے کے لئے وہ اسے بطورِ عذر پیش نہ کرتے۔ یہ آیت حجت ہے اہل سنت کا جہمیہ کے خلاف جو کہ اعمال کے ہدر ہونے اور ایمان و کفر میں اس کی تاثیر سے انکار کرتے ہیں۔

اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک بعض اعمال پر بندہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور اہل سنت کا (باوجود فروعی مسائل میں اختلاف کے) اس پر اتفاق ہے، بعض اکابر کے حوالہ جات بطورِ مشت نمونہ از خروارے یہاں پیش کرتے ہیں۔

فخر الدین حسن بن منصور فرغانی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رجل كفر بلسانِه طائعًا وقلبُه على الإيمانِ يكونُ كافرًا ولا يكونُ عندَ اللّٰهِ مؤمنًا.

ترجمہ: ایک آدمی اپنے اختیار سے (بلااِکراہ) اس حال میں کہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہے صرف زبان سے کفریات کہہ دے تو بھی وہ کافر ہے اور اللہ کے نزدیک مؤمن نہیں ہے۔ (فتاویٰ قاضي خان علىٰ هامش فتاوىٰ الهندية، ج: 3، ص: 573)

امام العصر محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اہل سنت کا اجماع نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اتفقوا في بعضِ الأفعالِ أنها كفر مع أنه يمكن فيها أن لا ينسلخ من التصديق؛ لأنها أفعال الجوارح لا القلب، وذلک كالهزل بلفظ كفر، وإن لم يعتقده، وكالسجود للصنم، وكقتل نبي، والاستخفاف به، وبالمصحف، والكعبة. واختلفوا في وجه الكفر بها بعد الاتفاق على التكفير، انتہى.

ترجمہ: اہل سنت نے بعض افعال کے بارے میں اتفاق کیا ہے کہ وہ کفر ہیں اگرچہ ممکن ہے کہ ان میں بندہ تصدیق سے نہ نکلے، اس لئے کہ یہ جوارح (اعضاء) کے افعال ہیں نہ کہ دل کے، اور وہ افعال جو کفر ہیں جیسا کہ گپ شپ میں الفاظِ کفر ادا کرنا اگرچہ اس کا اعتقاد نہ ہو، اور بت کو سجدہ کرنا، اور کسی نبی کو قتل کرنا، یا اس کا استہزاء کرنا، یا قرآن کا استہزاء کرنا، یا کعبہ کا استہزاء کرنا، اور انہوں (اہل سنت) نے ان امور میں تکفیر پر اتفاق کے بعد وجۂ کفر میں اختلاف کیا

ہے۔(اکفار الملحدین، ص:67)

یعنی اہل سنت ان افعال کے مُرتکبین کے تکفیر پر متفق ہیں، لیکن وجۂ کفر میں اختلاف ہے، چنانچہ محدثین حضرات مذکورہ بالا اعمال کو مکفِّرات مانتے ہیں اور متکلمین اعمال کو اماراتِ کفر و تکذیب مانتے ہیں، البتہ اس پر اتفاق ہے کہ ان اعمال کو جو بھی نام دیا جائے لیکن مُرتکب ظاہراً و باطناً کافر ہوگا۔

شوافع علماء میں سے محی الدین یحییٰ بن شرف نووی رحمہ اللہ "روضۃ الطالبین" کتاب الردّۃ میں فرماتے ہیں:

هي قطع الإسلام، ويحصل ذلک تارة بالقول الذي هو كفر، وتارة بالفعل، والأفعال الموجبة للكفر هي التي تصدر عن تعمد واستهزاء بالدين صريح، كالسجود للصنم، وإلقاء المصحف في القاذورات، والسحر الذي فيه عبادة الشمس ونحوها. قال الإمام: في بعض التعاليق عن شيخي: أن الفعل بمجرده لا يكون كفرًا. قال: وهذا زلل عظيم من المعلق، ذكرته للتنبيه على غلطه، وتحصل الردة بالقول الذي هو كفرٌ، سواء صدر عن اعتقاد أو عناد أو استهزاء.

ترجمہ: ارتداد اسلام کو توڑنا ہے، اور یہ (ارتداد) کبھی ایسے قول سے حاصل ہوتا ہے جو کہ کفر ہو، اور کبھی فعل سے۔ اور موجبِ کفر افعال وہ ہیں جو قصد اور استہزاء بالدین سے صادر ہو جائیں، جیسا کہ بت کو سجدہ کرنا، گندگی میں مصحف (قرآن) کو پھینکنا، اور وہ سحر جس میں سورج یا اس جیسے دیگر اشیاء کی عبادت ہو۔ امام فرماتے ہیں: میرے شیخ کی طرف منسوب بعض تعالیق میں منقول ہے کہ صرف فعل کفر نہیں ہے، فرماتے ہیں: معلق کی طرف سے یہ ایک بڑی لغزش ہے، اس کا تذکرہ میں نے اس لیے کیا کہ اس کی غلطی پر تنبیہ ہو جائے، حالانکہ ارتداد ایسے قول سے بھی حاصل ہوتا ہے جو کفر ہو، چاہے وہ اعتقاداً صادر ہو جائے یا عناداً یا استہزاءً۔(روضة الطالبين، ج:7، ص: 283- 284)

اور ابن حاجب مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"الردة الكفر بعد الإسلام، ويكون بصريح وبلفظ يقتضيه وبفعل يتضمنه".

ترجمہ: اِسلام کے بعد کفر اختیار کرنا ارتداد کہلاتا ہے، اور کبھی کفر کا وقوع صریحاً ہوتا ہے اور کبھی اس لفظ سے جو اس کا متقضی ہے اور کبھی اس فعل سے جو کفر کو متضمن ہو۔(جامع الامہات، ص: 512)

اور حنابلہ میں سے مرعی بن یوسف مقدسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(باب حكم المرتد) وهو من كفر بعد إسلامه، ويحصل الكفر بأحد أربعة أمور: بالقول كسبّ الله تعالىٰ ورسوله أو ملائكته أو ادّعاء النبوة أو الشرك له تعالىٰ، وبالفعل كالسجود للصنم ونحوه كإلقاء المصحف في قاذورة، وبالاعتقاد كاعتقاده الشريك له تعالىٰ أو أن الزنا أو الخمر حلال أو أن الخبز حرام ومما أجمع عليه إجماعًا قطعيًا، وبالشك في شيء من ذلك.

ترجمہ: (یہ باب مرتد کے حکم کے بارے میں ہے) اور مرتد وہ شخص ہے جو اسلام قبول کرنے کے بعد کافر ہو جائے، اور کفر چار اُمور میں سے ایک کے ارتکاب سے حاصل ہو جاتا ہے: **1-** قول سے، جیسے اللہ تعالیٰ اور اس کے

رسول یا اس کے ملائکہ کو گالی دینے سے یا نبوت کا دعویٰ کرنے سے یا اللہ تعالیٰ کا شریک ماننے سے۔ **2-** فعل سے، جیسے بت کے سامنے سجدہ کرنا اور اس جیسا کوئی اور فعل جیسے مصحف کو گندگی میں ڈالنا۔ **3-** اعتقاد سے، جیسے اللہ تعالیٰ کے لئے شریک کا عقیدہ رکھنا، یا یہ کہ زنا اور شراب کو حلال ماننا اور روٹی کو حرام ماننا اور ان اشیاء کے بارے میں جن پر قطعی اجماع منعقد ہو گیا ہو۔ **4-** ان امور میں کسی امر میں شک کرنے سے۔ (دلیل الطالب، ص:317)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکالمہ

خالد: کیا حال ہے؟

اسلم: الحمد للہ! میں ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟

خالد: اللہ کا شکر ہے، بھائی صاحب! کل میں نے آپ کے بارے میں پوچھا تھا لیکن آپ نہیں تھے، آج کل کیا مصروفیات ہیں؟

اسلم: بھئی! آج کل انتخابات ہو رہے ہیں، ہمارے علاقے کا ایک اُمیدوار ہے اس کے لئے ہم مہم چلا رہے ہیں۔

خالد: انتخابات کے لئے آپ مہم چلا رہے ہیں؟

اسلم: جی ہاں!

خالد: بھئی! یہ کیوں؟

اسلم: تاکہ ملک میں ایک صالح قیادت آجائے اور حکومت لوٹے، لٹیروں سے پاک ہو جائے اور ملک حقیقی جمہوریت کے راستے پر گامزن ہو جائے۔

خالد: بھئی! میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں۔

اسلم: بالکل، ضرور۔

خالد: آپ کو پتہ ہے جمہوریت کیا چیز ہے؟

اسلم: یہ ایک طرزِ حکومت ہے۔

خالد: وہ تو ٹھیک ہے، لیکن اس کی تعریف کیا ہے؟

اسلم: یہ عوام کی عوام پر عوام کے لئے حکومت ہے۔

خالد: بالکل ٹھیک، یہی تعریف مشہور ہے، لیکن میں آپ سے ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ اس تعریف کے مطابق جمہوریت شریعت کی رُو سے کیسا نظام ہے؟

اسلم: میں نے تو سنا ہے ٹھیک ہے۔

خالد: نہیں بھائی! آپ بھی مولوی اور باقاعدہ ایک دارالافتاء سے فارغ مفتی ہیں، آپ نے خود اس کی شرعی حیثیت کے بارے میں کبھی سوچا ہے؟ کوئی تحقیق بھی کی ہے یا فقط سنا ہے؟

اسلم: نہیں بھئی! صرف سنا ہے۔

خالد: آپ کو خود اس کی تحقیق کرنی چاہئے۔

اسلم: لیکن اس میں کیا حرج ہے؟

خالد: ہم ایک مسلم قوم ہیں۔ کسی بھی چیز کے اچھے یا برے، حلال یا حرام اور حق یا باطل معلوم کرنے کے لئے ہمارے پاس ایک ترازو ہے اور وہ ہے شریعت کے اصول وضوابط، جو کہ چار ہیں:

1-کتاب اللہ، 2-سنت رسول، 3-اجماع، 4-قیاس۔

ان کے علاوہ دیگر ذرائع سے ہم کسی چیز کے جائز وناجائز ہونے کا علم حاصل نہیں کر سکتے، اس لئے کہ یہ اصول انسانوں کی ضروریات پورا کرنے کے واسطے اتم، اکمل اور کافی ہیں۔

اسلم: بالکل، ایسا ہی ہے۔

خالد: تو پھر شریعت کی رُو سے کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ نظام کیسا نظام ہے؟

اسلم: میں تو کچھ نہیں کہہ سکتا، آپ بتائیے!

خالد: یہ ایک باطل، حرام اور کفری نظام ہے۔

اسلم: یہ کیوں؟ تعجب ہے، یہ تو میں آج آپ سے عجیب بات سن رہا ہوں۔

خالد: یہ حرام اس لئے ہے کہ اس میں عوام کی حکمرانی ہے، جبکہ اسلام اللہ کی حکمرانی کو مانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ یعنی اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے۔(یوسف: ۴۰)

اسلم: لیکن حکمرانی تو اسلام بھی انسان کو دیتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً﴾ کہ میں زمین میں (اپنا) نائب بنانے والا ہوں۔(البقرۃ:30)

خالد: نہیں بھائی، آپ میری بات کو نہیں سمجھے، آپ حکومت چلانے اور اقتدار کی بات کرتے ہیں اور حکمرانی سے میری مراد قانون سازی ہے اور یہ کہ یہ اقتدار چلانے والے کس قانون پر فیصلے کریں گے۔ جمہوریت قانون سازی کا حق انسان (عوام) کو دیتی ہے، جبکہ شریعت کہتی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ شارع (قانون ساز) ہے۔

اسلم: یہ تو ٹھیک ہے، لیکن میں نے بھی بعض کتابوں کے حوالے سے دیکھا ہے کہ قانون سازی میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: "أنتم أعلم بأمر دنياكم" (صحیح مسلم) (تم دنیاوی اُمور کو مجھ سے بہتر جانتے ہو) اور ہمارے مذہب کے مشہور امام علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں ذکر کیا ہے کہ قانون سازی جائز ہے کوئی حرج نہیں ہے، جب وہ ذی رائے لوگوں کے اتفاق سے ہو:

"ثم إنه لا شبهة في أنه لا بأس بالقوانين السياسية إذا وقعت باتفاق ذوي الآراء من أهل الحل والعقد على وجه يحسن به".

ترجمہ: پھر اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ سیاسی قوانین میں کوئی حرج نہیں ہے جب وہ اصحابِ رائے یعنی اہل حل وعقد کے اتفاق سے اس طور پر بنائے جائیں کہ جن سے نظام بہتر ہو جائے۔(روح المعانی، سورۃ المجادلۃ:5)

خالد: بھائی! آپ نے درست حوالہ دیا، لیکن قوانین دو طرح کے ہیں:

1- وہ قوانین ہیں جن کے بارے میں قرآن وسنت کے صریح احکامات موجود ہوں، جیسے حدود و قصاص اور اس جیسے دیگر معاملات

کے اصول واحکامات۔

2- وہ قوانین ہیں جن کے بارے میں نصوص موجود نہ ہوں، بلکہ وہ امیر اور خلیفہ کے سپرد ہوں، جیسے بعض تعزیرات وغیرہ۔

پہلی قسم کا حکم یہ ہے کہ قرآن وسنت کے خلاف آزادانہ قانون سازی حرام وکفر ہے، جبکہ دوسری قسم کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔آپ جس قانون سازی کے بارے میں بات کرتے ہیں اور جس کے بارے میں آپ نے روح المعانی کا حوالہ دیا وہ دوسری قسم کے بارے میں ہے، جبکہ پہلی قسم کے احکامات میں قرآن وسنت کے خلاف آزادانہ قانون سازی کفر ہے۔

رہی بات حدیثِ مسلم کی (جو آپ نے ذکر کی) تو حدیث مسلم مشورہ پر مبنی ہے اور انبیاء علیہم السلام کے وہ مشورے جو اُنہوں نے ان دنیاوی امور میں دیے ہوں جن کا آخرت کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو اور نہ وہ امورِ آخرت میں فلاح کے معارض ہوں وہ مشورے کی حد تک ہوتے ہیں، چنانچہ وہ واجب العمل نہیں ہوتے، البتہ آخرت کے بارے میں جو احکام ہیں یا جو چیزیں دنیوی ہیں لیکن وہ فلاح فی الآخرۃ کے راستے میں رکاوٹ بنتی ہیں ان کے بارے میں انہوں نے امر کیا ہو یا منع کیا ہو تو اس کو مشورہ سمجھنا بقولِ علامہ قاسم نانوتویؒ شرک فی النبوۃ کی بناء کو مستحکم کرنا ہے، وہ ہرگز مشورہ نہیں ہے، بلکہ انہیں امر ونہی سمجھا جائے گا جو کہ واجب العمل کے قبیل سے ہیں۔

اسلم: خالد بھائی! آپ نے یہ تقسیم کہاں سے نکالی؟

خالد: جس تفسیر کا آپ نے حوالہ دیا بالکل اسی تفسیر میں یہ بھی درج ہے، ایک قسم کے بارے میں تو انہوں نے یہ فتویٰ دیا ہے جو آپ نے ذکر کیا کہ جائز ہے، آگے جا کر وہ لکھتے ہیں:

وأما ما يتعلق بالحدود الإلٰهية كقطع السارق ورجم الزاني المحصن وما فصل في حق قطاع الطريق من قطع الأيدى والأرجل من خلاف وغيره مما فصل في آياتهم إلى غير ذلک فظاهر أمره دخوله في حكم الآية على ما ذكره البيضاوي رحمه اللّٰه. (روح المعانی)

یعنی وہ قانون سازی جو احکاماتِ الٰہیہ سے متعلق ہو، جیسا کہ چور کا ہاتھ کاٹنا، اور شادی شدہ زناکار کو رجم کرنا، اور جو اللہ نے قطاع الطریق کے بارے میں ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹنے کی تفصیل بیان کی ہے وغیرہ تو ظاہری معاملہ اُن کا (اس میں قانون سازی کرنا اور اس کے متبادل قوانین بنانا) اس آیت کے تحت داخل ہونے کا ہے (کافر ہے) جیسا کہ بیضاوی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔

امام آلوسی رحمہ اللہ نے ان احکامات (جو تعزیری ہیں اور امام کو مفوض ہیں، ان) میں قانون سازی کو کفر قرار نہیں دیا ہے، اس لئے کہ اس میں خود اللہ تعالیٰ نے کمی یا زیادتی کرنے کی اجازت دی ہے۔ گویا کہ یہاں پر اصل قانون اختیار کا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس میں اس کو اختیار دیا ہے، تو یہ کفر نہیں ہے، لیکن جب بات یہاں پر آتی ہے کہ وہ اللہ تعالی کے نازل کردہ احکامات کے ساتھ ٹکراتا ہے تو اس صورت میں پھر آیت سے مستنبط فتویٰ جو امام بیضاوی نے لگایا ہے وہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے بھی لگایا ہے۔

اسلم: ٹھیک ہے بھائی! لیکن میرا سوال یہ ہے کہ ہم تو اہل السنت والجماعت ہیں اور ہمارے نزدیک کوئی شخص گناہ سے کافر نہیں ہوتا، تو اگر یہ گناہ بھی ہو تب بھی اس کو کفری نظام کیسے کہا جا سکتا ہے؟ اس پر دلیل کیا ہے؟ حالانکہ اس شخص نے تو کلمے کا انکار نہیں کیا ہے اور عمل سے بندہ کافر نہیں ہوتا؟

خالد: بالکل آپ ٹھیک کہتے ہیں کہ گناہِ کبیرہ سے ہم کسی کی تکفیر نہیں کرتے، لیکن یہاں پر آپ کو اہل السنت والجماعت کا مذہب معلوم ہونا چاہئے، اہلِ سنت نہ توخوارج کی طرح ہر گناہِ کبیرہ پر کسی کی تکفیر کرتے ہیں اور نہ مرجئہ اور جہمیہ کی طرح ہر کسی کو ایسے آزاد چھوڑتے ہیں کہ وہ جو کچھ کرے وہ کافر نہیں ہوگا، یعنی وہ ایمان کو بھی ایک حقیقت مانتے ہیں اور صرف ایک آدھ گناہ کی وجہ سے اس کے نابود ہونے کے بھی قائل نہیں، اور نہ جہمیہ کی طرح اعمال کو بالکل بے اثر مانتے ہیں کہ بندہ کلمہ پڑھنے کے بعد جو کچھ کرے ایمان پر کچھ بھی اثر نہیں پڑے گا۔

کیاآپ نے ہمارے فقہاء کی کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا ہے؟! **باب المرتد** ان میں بھی ہوتا ہے، جس میں انہوں نے عقائد کے علاوہ بعض اقوال وافعال ایسے بھی ذکر کیے ہیں جن سے بندہ (نعوذ باللہ) دائرہ اسلام سے خارج ہو کر کافر ہو جاتا ہے۔

اسلم: ٹھیک ہے، یہ تو مجھے معلوم ہے، لیکن ہم ان افعال واقوال کے درمیان کیسے فرق کریں گے کہ جن سے بندہ صرف گنہگار ہو جاتا ہے اور بعض سے بندہ کافر ہو جاتا ہے۔ (نعوذ باللہ)

خالد: اصل میں فقہاء نے گناہوں کی دو قسمیں بیان کی ہیں، ایک وہ کبائر ہیں جو **اَمارات التکذیب** نہیں، ان سے بندہ کافر نہیں ہوتا، جیسے شراب نوشی، زنا، غیبت اور سود خوری وغیرہ، اگرچہ یہ بڑے بڑے گناہ ہیں، لیکن بندہ ان سے کافر نہیں ہوتا۔ جبکہ گناہ کی دوسری قسم وہ ہے جن سے بندہ کافر ہو جاتا ہے، (العیاذ باللہ) فقہائے کرام ایسے اعمال کو علاماتِ کفر اور آماراتِ تکذیب جیسے ناموں سے تعبیر فرماتے ہیں اور محدثین حضرات **مُکفِّرات** (کافر کرنے والے اعمال) کے نام سے ان کی تعبیر کرتے ہیں، نیز! انہیں نواقض الایمان بھی کہتے ہیں۔ جیسے گلے میں صلیب لٹکانا یا زنار باندھنا، مذاق میں کلمۂ کفر ادا کرنا، کفار کی صف میں مسلمانوں کے خلاف لڑنا وغیرہ۔

اس بارے میں علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے ایک رسالہ **"قواطع الإسلام"** کے نام سے تحریر فرمایا ہے، اور امام محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے **"إكفار الملحدين"** کے نام سے ایک مختصر لیکن انتہائی جامع رسالہ تحریر فرمایا ہے۔

اسلم: ٹھیک ہے بھائی! لیکن تھوڑی وضاحت کیجئے کہ قانون سازی کا تعلق کس قسم کے گناہ سے ہے؟

خالد: قانون سازی دوسری قسم کے گناہ سے تعلق رکھتی ہے جس سے بندہ کافر ہو جاتا ہے۔

اسلم: بھئی! یہ کیسے؟

خالد: آپ دین کا معنی جانتے ہیں؟

اسلم: جی ہاں! لغت میں دین کا معنٰی **جزاء**، **اطاعت** اور **قانون** ہے اور اصطلاح میں کسی کو قانون ساز مان کر بدلے کی نیت سے اس کی اطاعت کرنے کو دین کہا جاتا ہے۔

خالد: یعنی صرف نماز، روزے، حج اور زکوۃ کو دین نہیں کہا جاتا، بلکہ دین زندگی کے تمام شعبوں کو شامل ہے، اس میں عقائد، عبادات، اخلاقیات، معاملات، سیاسیات اور جزاء وسزا سب آتے ہیں۔

اسلم: جی ہاں! میں نے اپنے اساتذہ سے اسی طرح سنا ہے اور میں نے اس بارے میں شیخ الہند رحمہ اللہ کا ایک قول بھی دیکھا تھا۔ انہوں نے دین کو صرف نماز، روزہ، زکوۃ اور حج وغیرہ تک محدود کرنے کو دین کے دامن پر ایک بدنما داغ قرار دیا ہے۔

خالد: اب میں ایک اور سوال پوچھتا ہوں، وہ یہ کہ دین کے کتنے حصے ہیں؟

اسلم: دین کے دو حصے ہیں، ایک حصہ: انفرادی مُخَفَّف اور دوسرا حصہ اجتماعی مُغَلَّظ ہے۔ یعنی دین کا ایک حصہ انفرادی معمولات (مثلاً عبادات و عقائد وغیرہ) پر مشتمل ہے جبکہ دوسرا حصہ اجتماعی معاملات پر مشتمل ہے، جس میں یہ سب قوانین آتے ہیں۔

خالد: بالکل ٹھیک! اب میں ایک بات پوچھتا ہوں کہ وہ قوانین جو سزاؤں اور عقوبات کی شکل میں ہیں اور جو قوانین معاملات کی شکل میں ہیں، کیا وہ دین میں سے ہیں؟

اسلم: جی ہاں! وہ سب دین میں سے ہیں اور وہ دین کا باقاعدہ حصہ ہیں، اس لئے کہ کُتبِ فقہ و حدیث کا نصف حصہ تو انہی اُمور پر مشتمل ہے اور فقہ اور احادیث دین میں سے ہیں۔ اب اگر ہم یہ کہیں کہ یہ (اجتماعی احکامات) دین میں سے نہیں ہیں تو پھر تو مطلب یہ ہو گا کہ فقہ کا آدھا حصہ دین اور آدھا بے دینی ہے۔ (نعوذ باللہ)

خالد: اب میرا ایک اور سوال ہے کہ دین میں تبدیلی کرنے کا کیا حکم ہے؟

اسلم: اللہ سے پناہ مانگتا ہوں، دین میں تبدیلی کرنا کفر ہے۔

خالد: کیوں؟

اسلم: اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَن يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَن يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾

ترجمہ: اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہو گا وہ اُس سے ہر گز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہو گا۔ (آل عمران: 85)

اور حدیث میں ہے: "مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ".

ترجمہ: جس نے اپنا دین تبدیل کیا تو اس کو قتل کرو۔ (صحیح البخاری حدیث: 6524)

یہاں پر تمام علماء کے نزدیک قتل کا جو حکم ہے اس کی وجہ ارتداد ہے۔

خالد: اب میرا مدّعا حاصل ہو گیا کہ جب یہ احکامات دین میں سے ہیں اور دین میں تبدیلی کرنا کفر ہے تو آزاد قانون سازی بھی کفر ہے، اس لئے کہ اس میں آزاد حقوق دینے کا مطلب یہ ہے کہ مقنّنہ آزاد ہے کہ اللہ کے احکامات کی جگہ دوسرے احکامات لائے یا اپنی آزادی کی بدولت ان احکامات میں ترمیم کرے۔ منطقی انداز میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ قوانین اجتماعی دین میں سے ہیں اور دین میں تبدیلی اور اس تبدیلی کا جواز کفر ہے، پس صغریٰ و کبریٰ کے ملانے سے نتیجہ یہی نکلے گا کہ قوانین شرعیہ میں تبدیلی اور اس کا جواز کفر ہے اور جو نظام اس کا جواز دیتا ہو اور عملاً بھی اس میں یہ آزادی ہو وہ نظام کفری ہو گا۔

اسلم: لیکن میرا خیال یہ ہے کہ دین کی تبدیلی سے مراد دین سے نکل کر یہودی یا عیسائی ہونا ہے۔ اور یہ لوگ تو اس طرح نہیں ہوئے ہیں۔

خالد: اوہ! میرے دوست! آپ فنِ اُصولِ فقہ سے واقف ہوں گے؟

اسلم: جی ہاں! الحمد للہ! تھوڑی بہت مہارت بھی رکھتا ہوں۔

خالد: آپ نے یہ بھی پڑھا ہو گا کہ المطلق يجرى علىٰ إطلاقه إذا لم يقم دليل التقييد نصاً أو دلالةً کہ مطلق اپنے اطلاق

پر جاری ہو گا جب تک اس کی تقیید پر نصاً یا دلالۃً دلیل قائم نہ ہو جائے۔(مجلة الأحكام العدلية، مادة: 64)

اسلم: جی ہاں! میں نے یہ پڑھا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مطلق کا ایک بھی فرد پایا جائے تو مطلق پایا گیا۔ اسی لئے تو امام شافعی رحمہ اللہ آیتِ مسح ﴿وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ﴾ سے مطلق مسح مراد لیتے ہیں، آپؒ کے نزدیک اگر ایک بال پر بھی مسح کیا جائے تو فرض ادا ہو گیا۔

خالد: اب یہاں دین میں مطلق تبدیلی مراد ہے یا ایک خاص قسم کی تبدیلی؟

اسلم: مطلق تبدیلی مراد ہے۔

خالد: یعنی اگر ایک آدمی نے پورا دین تبدیل کیا تو وہ کافر ہو گا اور اگر کسی نے دین کا ایک جزء تبدیل کیا تو وہ بھی اس شخص کی طرح ہو گا جس نے پورا دین تبدیل کیا ہو؟

اسلم: بالکل اسی طرح ہے۔

خالد: مطلب یہ ہے کہ جب ایک آدمی اپنے دین (اسلام) کو چھوڑ کر یہودی ہو جائے تو وہ کافر ہو گا اور اگر کسی نے دین کا ایک منصوصی جزء تبدیل کیا تو وہ بھی کافر ہو گا۔

اسلم: اگر آپ کوئی مثال دے دیں تو اچھا ہو گا، میں پوری طرح یہ بات نہیں سمجھا۔

خالد: مثال کے طور پر نماز (جو کہ دین کا ایک جزو ہے، پورا دین نہیں ہے، اس) میں تبدیلی کرنے سے بندہ کافر ہو جاتا ہے، مثلاً وہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ سب باتوں کو مانتا ہے لیکن اس نے نماز میں یہ تبدیلی کی کہ وہ ظہر کی نماز چار رکعت کے بجائے پانچ پڑھتا ہے، اس شخص کا حکم کیا ہو گا؟ اور پھر اس حکومت اور حکمران کا جو اَمر کرتا ہے کہ ظہر کی نماز چار رکعت کی بجائے پانچ یا تین رکعتیں پڑھی جائیں گی؟

اسلم: ایسا شخص اور ایسی حکومت تمام فقہاء کے نزدیک کافر ہے۔

خالد: اگر کسی حاکم نے زکوٰۃ کا نصاب چالیسویں کے بجائے تیسواں رکھ دیا تو اس کا حکم کیا ہو گا؟

اسلم: اس کا حکم بالکل پہلے شخص کی طرح ہے۔ کیونکہ یہ دونوں کام حدیث: "مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ" کے مفہوم میں داخل ہیں، اس لئے کہ یہ دونوں ارکان (نماز اور زکوٰۃ) دین کی اقسام میں سے ہیں۔

خالد: اب میں پوچھتا ہوں کہ جس طرح نماز، روزہ، حج اور زکوۃ دین کی اقسام میں سے ہیں، کیا عقوبات اور معاملات کے جو شرعی اصول ہیں وہ بھی دین کی اقسام میں سے ہیں؟

اسلم: جی ہاں! بالکل کوئی فرق نہیں ہے، طبقات ابن سعد میں ہے:

> كتب عمر بن عبد العزيز: إن إقامة الحدود عندى كإقامة الصلاة والزكاة. (ج: 5، ص: 378)
>
> ترجمہ: حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا: میرے نزدیک حدود قائم کرنا نماز اور زکوۃ قائم کرنے کی طرح ہے (یعنی اسی طرح فرض ہے)۔

خالد: اب ان قوانین میں جن کے بارے میں قرآن وسنت کے صریح نصوص موجود ہوں تبدیلی کرنا دین میں تبدیلی ہو گی کہ نہیں؟

اسلم: بالکل ہو گی۔

خالد: آپ نے دین میں تبدیلی کرنے کو کیا نام دیا تھا؟

اسلم: کفر وارتداد، یہ نام میں نے نہیں بلکہ اُمت کے تمام فقہاء نے دیا ہے۔

خالد: تو اب ایسے شخص کا حکم کیا ہو گا جس نے یہ تبدیلی کی؟ یا جو نظام اس تبدیلی کا علمبر دار ہو؟

اسلم: ظاہر ہے ایسا شخص کافر ہو گا، اور وہ نظام، کفری نظام ہو گا۔

خالد: اس پر باقاعدہ فقہاء نے بحث کی ہے کہ ارتداد کی ایک قسم **ارتداد عن كل الدين** ہے (کہ کوئی شخص پورے دین سے نکل جائے) اور ایک **ارتداد عن بعض الدين** ہے، اور جس طرح ارتداد کفر اصلی سے بڑا ہے اسی طرح **ارتداد عن بعض الدين، ارتداد عن كل الدين** سے بدتر ہے، یہ بات فقہاء کی کتابوں میں مذکور ہے، لیکن بتائیں کہ اب قانون سازی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

اسلم: لیکن وہ لوگ تو اس کو دین نہیں سمجھتے، بلکہ دین سے الگ سمجھتے ہیں؟

خالد: کیا اِن احکامات کو دین سے الگ سمجھنا کفر نہیں؟!

اسلم: جی ہاں! میں نے مفتی تقی عثمانی صاحب کا ایک فتویٰ دیکھا تھا اُنہوں نے ایسے لوگوں پر کفر کا فتویٰ دیا تھا جو لوگ سیاست کو دین سے الگ سمجھتے ہیں، اس لئے کہ سیاست دین میں سے ہے اور دین کو غیرِ دین سمجھنا کفر ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

إن هذه النظرية في الحقيقة نوع من أنواع الإشراك بالله تعالىٰ من حيث أنها لا تعترف للدين بسلطة في الحياة المادية، وإنما تقصر سلطة الدين على رسوم وعبادات يمارسها المرء في خلوته أو في معبده، فكان الإلٰه ليس إلٰها إلا في العبادات والرسوم، وأما الأمور الدنيوية فلها إله آخر. (والعياذ بالله) ولذلك لم يزل المسلمون الراسخون يردون على هذه النظرية الزائغة في كل زمان ومكان؛ لأنه لا مجال لها في الإسلام الذي يؤمن بعقيدة التوحيد في أصح تعبيراتها وأكمل صورها، والذي قرر الأحكام الإلٰهية في جميع شئون الحياة بما فيها السياسة والاقتصاد فكان من واجب أهل العلم المسلمين أن يرفضوا هذه النظرية ويردوا عليها ردًّا علميًّا ناجعًا.

ترجمہ: یہ نظریہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کے انواع میں سے ایک نوع ہے، اس حیثیت سے کہ یہ دین کے لئے مادی زندگی میں قوت اور سلطہ کو تسلیم نہیں کرتا، بلکہ یہ دین کا سلطہ صرف اُن رسوم اور عبادات تک محدود کرتا ہے جنہیں آدمی اپنی خلوت اور عبادت گاہ میں کرتا ہے، پس ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ صرف رسومات اور عبادات میں الٰہ ہے۔ اور ہر چہ دنیاوی امور ہیں تو اس کے لئے الگ خدا (الٰہ) ہے (والعياذ بالله) اور یہی وجہ ہے کہ علم میں مضبوط مسلمان ہمیشہ ہر زمانے اور ہر جگہ اس باطل نظریہ کو ردّ کرتے رہے ہیں، اس لئے کہ اسلام میں اس کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے جو عقیدہ توحید کی صحیح تعبیرات اور تمام صورتوں پر یقین رکھتا ہے، اور وہ اسلام جس نے اللہ تعالیٰ کے احکامات زندگی کے تمام گوشوں (جس میں سیاست اور اقتصاد بھی ہے) کے لئے مقرر کیے ہیں، پس اہل علم کے فرائض میں سے ہے کہ وہ اس نظریے کو چھوڑیں اور اس پر علمی انداز میں رد کریں۔ (تكملة فتح الملهم، ج:3، ص:272)

خالد: ماشاءاللہ! یہ اُمت کے تمام علماء کا فتویٰ ہے، اور یہ صرف سیاست تک محدود نہیں ہے، بلکہ یہ دین کے تمام احکام کو شامل ہے کہ ان کو دین نہ سمجھنا یا دین سے الگ سمجھنا کفر ہے۔ اسی طرح یہ نظام بھی دراصل دو الٰہ کو ماننے والا نظام ہے، ایک مذہب کا الٰہ اور ایک قانون کا الٰہ۔ مذہب کے الٰہ سے جمہوریت انکار نہیں کرتی ہے کہ اس کے اوامر و نواہی مذہب کے احکام نہیں، لیکن اس اقرار کے ساتھ وہ اس بات سے منکر ہے کہ مذہب کے احکام ہر وقت واجب الاطاعۃ قوانین ہیں، بلکہ وہ احکام قوانین بنائے جا سکتے ہیں جنہیں قانون کا الٰہ منظور اور پاس کرے اور اگر پاس نہ کرے تو وہ پھر بھی مذہب کے احکام تو باقی رہیں گے، البتہ انہیں قانونی حیثیت حاصل نہ ہو گی۔

اسلم: ٹھیک ہے، جزاك الله خيرًا.

خالد: اب ہم ان لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ وہ ان احکامات کو دین سمجھتے ہیں یا نہیں؟ اگر سمجھتے ہیں تو پھر اس میں تبدیلی دین میں تبدیلی ہے (جو کہ کفر ہے) اور اگر دین نہیں سمجھتے تب بھی ان پر کفر کا فتویٰ منطبق ہوتا ہے (کیونکہ اس صورت میں بعض دین کا انکار لازم آتا ہے)۔

اسلم: لیکن میں نے سنا ہے کہ کسی گناہ سے بندہ تب کافر ہوتا ہے جب وہ اس کو حلال سمجھ کر کرے اور پتہ نہیں کہ وہ لوگ اس تبدیلی کو حلال سمجھتے ہیں یا نہیں؟

خالد: ٹھیک ہے، لیکن گناہوں کی تقسیم جو میں نے آپ کے سامنے ذکر کی تھی وہ تو آپ کو یاد ہو گی؟

اسلم: جی ہاں! آپ نے گناہوں کی دو قسمیں ذکر کی تھیں: 1- جس کے کرنے سے بندہ کافر نہیں ہوتا۔ 2- جس کے صرف ارتکاب سے بندہ کافر ہو جاتا ہے۔

خالد: زنا اور چوری کونسے گناہوں میں داخل ہیں؟

اسلم: وہ ان گناہوں میں داخل ہیں جن کے کرنے سے بندہ کافر نہیں ہوتا۔

خالد: لیکن آپ کا کیا خیال ہے اگر کوئی شخص زنا، چوری اور شراب خوری کو حلال سمجھ کر کرے وہ مسلمان ہو گا یا کافر؟

اسلم: وہ کافر ہو گا۔

خالد: اگر حلال سمجھنے سے بندہ اُن گناہوں سے بھی کافر ہو جاتا ہے جن کے کرنے سے بندہ کافر نہیں ہوتا، اور ان گناہوں میں بھی جن کے صرف کرنے سے بندہ کافر ہو جاتا ہے، اور استحلال (حلال سمجھنے) کو اگر شرط قرار دیا جائے تو پھر اس کو علیحدہ قسم بنانے کا کیا مطلب؟ حالانکہ ایک مَقسم کی ایک قسم دوسری قسم کے لئے قسیم ہوتی ہے جو کہ ضد سمجھی جاتی ہے، گویا گناہ کے دو قسم بن گئے: ایک قسم جس سے بندہ کافر نہیں ہوتا اور دوسری قسم وہ ہے جس کے کرنے سے بندہ کافر ہو جاتا ہے۔ اور یہ بات دین اسلام کے اصول سے بالضرورۃ معلوم ہے کہ جس قسم کے گناہ کے کرنے سے بندہ کافر نہیں ہوتا اس کے حلال سمجھنے سے بھی بندہ کافر ہو جاتا ہے۔ پس اگر حلال سمجھنے کی شرط دوسری قسم میں بھی ہو تو یہ ایک ہی شے ہو جائے گی، حالانکہ یہ دونوں الگ الگ متضاد چیزیں ہیں۔ پس اگر ایسا ہو جائے تو شے اپنی ذات اور ضد دونوں کو شامل ہو جائے گی اور یہ بدیہي البطلان ہے، اس لئے کہ ضد الشيء کا مطلب یہ ہے کہ یہ اس شے کے علاوہ دوسری شے ہے، یعنی اس میں کسی دوسری چیز ہونے کے ساتھ ساتھ یہ مفہوم معتبر ہے کہ یہ وہ شے (جس کی ضد ہے) نہیں ہے، یعنی کوئی شے کسی دوسری کی ضد ہونا دو مفہوموں پر مشتمل ہے: ایک ایجابی کہ یہ چیز یہ ہے اور دوسرا سلبی کہ یہ وہ ضد نہیں ہے، اور جب یہ

مفہوم معتبر ہے تو اگر شے اپنی ذات اور ضد دونوں کو شامل ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ''وہ چیز جو یہ چیز نہیں ہے، یہ چیز ہے''۔اور یہ اجتماعِ نقیضَین ہے (جو کہ بدیہی البطلان ہے) اس لئے کہ ایک ہی وقت، ایک ہی مکان وزمان میں، ایک ہی حیثیت سے ایک چیز کی نفی اور اثبات ہے اور یہ ناممکن ہے، پس یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں اور دونوں چونکہ ایک مَقسم کی قسمیں ہیں، لہٰذا دونوں کا ایک دوسرے سے الگ ہونے کے لئے مُمیز اور ما بہ الامتیاز (جس کے ذریعے ایک چیز دوسری چیز سے جدا ہو) یہ ہے کہ ایک قسم سے بندہ بدون الاستحلال (حلال سمجھے بغیر) کافر نہیں ہوتا، جبکہ دوسری قسم کے اعمال کے صرف ارتکاب سے بندہ کافر ہو جاتا ہے اگرچہ اس کو حلال نہ سمجھے۔

اسلم: بالکل میرے ذہن نے یہ بات تسلیم کی، لیکن کیا اس بات پر ہمارے اسلاف کی تصریحات موجود ہیں کہ گناہ کی ایک قسم ایسی بھی ہے کہ اس کے ارتکاب سے بندہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اگرچہ وہ اس کی حلت کا عقیدہ نہ رکھتا ہو؟

خالد: میرے پیارے بھائی! اس پر تو ہمارے اکابر علماء کی بہت سی کتابوں کے حوالے موجود ہیں اور ہر چیز میں استحلال کا سہارا لینا تو مرجئہ اور جہمیہ کا مذہب ہے، اس بارے میں امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی ایک مدلل کتاب موجود ہے، جس کا نام ہے: ''إكفار الملحدين والمتأولين في ضروريات الدين''۔اسی کتاب میں امام العصر نے اس بات کی خوب تحقیق کی ہے اور اس پر اہل السنۃ علماء کا اجماع نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

اتفقوا في بعض الأفعال أنها كفر مع أنه يمكن فيها أن لا ينسلخ من التصديق؛ لأنها أفعال الجوارح لا القلب، وذلك كالهزل بلفظ كفر، وإن لم يعتقده، وكالسجود لصنم، وكقتل نبي، والاستخفاف به، وبالمصحف، والكعبة، واختلفوا في وجه الكفر بها بعد الاتفاق على التكفير، انتهى.

ترجمہ: اہل سنت نے بعض افعال کے بارے میں اتفاق کیا ہے کہ وہ کفر ہیں، اگرچہ ممکن ہے ان میں بندہ تصدیق سے نہ نکلے، اس لئے کہ یہ جوارح (اعضاء) کے افعال ہیں نہ کہ دل کے۔اور وہ جیسے کہ گپ شپ میں لفظِ کفر کہنا، اگرچہ اس کا اعتقاد نہ ہو، اور بت کو سجدہ کرنا، اور جیسا کہ کسی نبی کو قتل کرنا، یا اس کا استہزاء کرنا، یا قرآن کا استہزاء کرنا، یا کعبہ کا استہزاء، اگرچہ ان امور کے مرتکبین کے تکفیر پر اتفاق کے بعد وجہِ کفر میں ان کا اختلاف ہے۔ (اكفار الملحدين، ص: 68)

آپ نہیں دیکھتے کہ فقہاء نے زنار اور صلیب لٹکانے جیسے افعال کو کفر قرار دیا ہے، اگرچہ اس میں اعتقاد نہ بھی ہو۔

اسلم: ٹھیک ہے، میں سمجھ گیا کہ احکامِ شرعیہ میں تبدیلی کرنا کفر ہے، اگرچہ کوئی اس کام کو حلال نہ بھی سمجھے، اور جمہوریت چونکہ انسان کو آزادانہ قانون سازی کا حق دیتی ہے (جو کہ اللہ کے احکامات کے متبادل دوسرے قوانین وضع کرنے یا ان احکامات میں ترمیم و تبدیل کرنے کا جواز ہے) لہذا جمہوریت اپنی حقیقت اور ماہیت کے لحاظ سے ایک کافرانہ نظام ہے، البتہ میرا خیال یہ ہے کہ پاکستان میں تو مشرقی اور اسلامی جمہوریت ہے، اس لئے اسے کفری نظام کہنا درست نہ ہو گا۔

خالد: آپ یہ تو مانتے ہیں کہ پاکستان میں جمہوریت ہے؟

اسلم: جی ہاں! یہ تو ہر پاکستانی کو معلوم ہے اور پاکستان کے آئین میں بھی درج ہے اور پاکستان کا نام بھی اس وجہ سے ''اسلامی جمہوریہ

پاکستان'' ہے۔

خالد: اب میں ایک سوال پوچھتا ہوں، جمہوریت کی تعریف جو آپ نے کی تھی وہ آپ کو یاد ہے؟

اسلم: جی ہاں! عوام پر عوام کی حاکمیت کو جمہوریت کہتے ہیں۔

خالد: یہ تعریف، جمہوریت کی کیا سمجھی جائے گی؟

اسلم: یہ جمہوریت کے لئے ماہیت اور حقیقت سمجھی جائے گی۔

خالد: ماہیت کا مطلب کیا ہے؟

اسلم: ماہیت کا مطلب ہے ما به الشيء هو هو جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جس کے بغیر وہ چیز وہ نہیں ہو سکتی (دیگر تفصیلات یہاں مطلوب نہیں کہ کسی چیز کا وہ چیز ہونا اور اس کا موجود ہونا الگ الگ چیزیں ہیں یا ایک چیز ہے)۔

خالد: مطلب یہ ہے کہ عوام کو قانون سازمانے بغیر جمہوریت، جمہوریت نہیں سمجھی جائے گی؟

اسلم: جی ہاں! ایسا ہی ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ان کے نزدیک جمہوریت سے مراد یہ نہ ہو اور یہاں پر حاکمیت عوام کے بجائے اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہو؟ (جیسا کہ آئینِ پاکستان میں درج ہے) لہذا یا تو جمہوریت سے مراد وہ جمہوریت نہیں جس میں عوام کی حاکمیت ہوتیہے یا پھر یہ جمہوریت کی ماہیت نہیں ہے؟

خالد: آپ کا سوال بجا ہے، لیکن ہم نے اس پر ماہیت کا جو اطلاق کیا ہے تو ان شاءاللہ اس کو ثابت کریں گے کہ پاکستان میں بھی جمہوریت کا وجود عوام کی حاکمیت کے بغیر نہیں ہے۔ یہ بات ہم بعد میں ثابت کریں گے، لیکن اس سے پہلے میں ایک سوال پوچھتا ہوں کہ اسلامی جمہوریت کا جمہوریت کے ساتھ کیا تعلق ہے؟

اسلم: اسلامی جمہوریت، جمہوریت کی ایک قسم ہے، یعنی جمہوریت اس کے لئے ایسی ہے جیسا کہ انواع کے لئے جنس یا اصناف کے لئے نوع۔

خالد: وہ کیسے؟

اسلم: اس لئے کہ کسی چیز کی قسم وہ شئ مع القید ہوتی ہے، یعنی اس چیز کے ساتھ کوئی قید لگا کر وہ اس چیز کی قسم بنتی ہے۔ یہاں پر بھی جمہوریت کے ساتھ ایک قید لگائی گئی ہے جو کہ اسلامی ہے، تو یہ ''اسلامی جمہوریت'' بن گئی۔ پس جمہوریت مع قید اسلامی مطلق جمہوریت (صرف جمہوریت) کی قسم ہے۔

خالد: اب میرا پوچھنا یہ ہے کہ جب ''اسلامی جمہوریت''، مطلق جمہوریت کی قسم ہے تو اس میں جمہوریت کی ماہیت (یعنی عوام کی حاکمیت اور عوام کا حق قانون سازی) ہو گی یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر یہ جمہوریت نہیں ہے اور اگر ہے تو پھر تو اس میں یہ ماہیت لازماً ہو گی، کیونکہ آپ نے ابھی کہا کہ ماہیت کے بغیر کسی چیز کے افراد کا وجود ممکن نہیں، جس طرح انسان (جو حیوان کے انواع میں سے ایک نوع ہے) حیوانی ماہیت کے بغیر اس کا وجود ناممکن ہے، یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ انسان کا ایک بھی فرد ایسا موجود ہو جس میں حیوانیت نہ ہو، اسی طرح اسلامی جمہوریت (جو جمہوریت کی نوع ہے) اس کا وجود بغیر ماہیت جمہوری ناممکن ہے، اور جب وہ ماہیت (عوام کی حاکمیت) ادھر موجود

ہو تو جمہوریت کیسے اسلامی ہو گی؟ حالانکہ اس نے قانون سازی کا حق انسان کو دے کر ان تمام احکامات میں ترمیم کرنے اور اس کے متبادل کے طور پر دوسرے احکامات بنانے کا جواز دیا جو کہ کفر ہے اور اسلام میں قانون سازی کا حق صرف اللہ تعالی کو حاصل ہے، یہ دونوں مفہوم ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں، اللہ کو مطلق قانون سازی کا حق دینا اور مخلوق کو مطلق قانون سازی کا حق دینا، ان دونوں کے درمیان تضاد ہے۔ کیا یہ بات آپ تسلیم کرتے ہیں؟

اسلم: ہاں! یہ میرے نزدیک مسلم ہے، لیکن یہ کیوں جمع نہیں ہو سکتے؟

خالد: کیا کسی چیز کی ضد اس چیز کی قسم بن سکتی ہے؟

اسلم: نہیں، اس لئے کہ آپ نے پہلے ذکر کیا کہ کوئی چیز اگر اپنی ضد کی قسم بن جائے تو وہ مَقسم اپنی ذات اور ضد کو شامل ہو جائے گی اور یہ بات بدیہی البطلان ہے۔ لیکن اگر ہم اس تعریف کو حد کی بجائے رسم بنائیں تو کیسا ہو گا؟

خالد: رسم بھی ما به الامتیاز ہے، یعنی جمہوریت کی جو تعریف ہے یہ اس کے علاوہ تمام نظاموں یا بعض سے اس کا امتیاز پیدا کرتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ یہ اس کے لوازم میں سے شمار ہو گی۔ اب آپ جس راستے سے بھی آتے ہیں (تعریف کو حد بناتے ہیں یا رسم) لیکن عوام کو حقِ قانون سازی دینا کفر ہے اور بصورتِ رسم چونکہ یہ جمہوریت کے لوازمات اور خواص میں سے ہے، اس لئے انفکاک متصور نہیں ہے، لہذا تب بھی کفر لازم آتا ہے۔

اسلم: جی ہاں!

خالد: کیا تمہیں یہ بات معلوم ہو گئی کہ جمہوریت اسلام کی ضد ہے اور ان دونوں کے درمیان نسبت تباین کی ہے؟

اسلم: جی ہاں! یہ بات مجھے معلوم ہو گئی، اس لئے کہ دونوں کے مفہوم الگ الگ ہیں، اسلام کی اساس ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ اور ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ پر ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود اور قانون ساز نہیں ہے، اور جمہوریت کی بنیاد "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلشَّعْبِ" پر ہے، یعنی قانون سازی کا حق صرف عوام کو حاصل ہے۔

خالد: مجھے اس بات کی وضاحت چاہئے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا مطلب یہ بھی ہے کہ اللہ کے ماسوا کوئی قانون ساز نہیں ہے۔

اسلم: اس لئے کہ لا الہ الا اللہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (لائق اور مستحقِ عبادت) نہیں ہے اور عبادت کا ایک اطلاق قانون اور حکم پر بھی آتا ہے جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَن لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّآ اِيَّاهُ﴾

ترجمہ: اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے، اس نے امر کیا ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے۔ (یوسف:40)

عبادت کا ذکر حکم کے بعد یہ فائدہ دیتا ہے کہ یہاں عبادت سے مراد حکم اور قانون ہے۔ ہمارے فقہاء میں سے مشہور فقیہ امام سرخسی رحمہ اللہ نے بھی ''مبسوط'' میں حکم کو عبادت فرمایا ہے، وہ لکھتے ہیں:

واعلم أن القضاء بالحق من أقوى الفرائض بعد الإيمان بالله تعالى وأشرف العبادات، لأجله أثبت الله تعالىٰ لآدم عليه السلام اسم الخلافة فقال: ﴿اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً﴾. (المبسوط للإمام السرخسی، كتاب أدب القاضی)

ترجمہ: جان لو! کہ حق پر فیصلہ کرنا ایمان باللہ کے بعد اہم ترین فرائض اور اشرف عبادات میں سے ہے، اسی وجہ سے اللہ

تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے لئے خلافت کا نام ثابت کیا، حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ (میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں)۔

اسلم: کیا اکابر علماء کرام نے کبھی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کو اس مفہوم میں استعمال کیا ہے ؟

خالد: جی ہاں ! یہ معنیٰ اس وقت ہمارے اکابر نے مراد لیا جب انہوں نے پاکستان کا مطلب لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ قرار دیا، اس سے ان کی مراد تھی کہ پاکستان میں جو نظام نافذ ہوگا وہ اللہ کا ہوگا، اس لئے کہ یہاں پر دوسرا کوئی معنیٰ نہیں چلتا، کیونکہ لا الہ الا اللہ سے صرف پاکستان کی زمین کو مراد لینا، یا یہ کہ یہاں صرف لا الہ الا اللہ پڑھنے والے رہیں گے یا یہ کہ یہاں مساجد و مدارس ہوں گے یہ سب معانی غلط اور بے محل ہیں، اس لئے کہ پہلے معنیٰ کا تو کوئی مطلب نہیں نکلتا، جبکہ دوسرے کا بطلان تو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں (کیونکہ یہاں صرف مسلمان نہیں رہتے) اور اگر تیسرا معنیٰ مراد لیا جائے تو پھر الگ ملک بنانے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ مدارس و مساجد تو متحدہ ہندوستان بھی موجود تھے، مسلمانوں کو نماز وغیرہ سے منع کرنے والا کوئی نہ تھا، البتہ ایک چیز تھی جو اُدھر نہ تھی، اور وہ چیز تھی حقِ قانون سازی کہ وہ وہاں اللہ تعالیٰ کو نہیں بلکہ انسانوں کو حاصل تھا، وہاں کا نظام اسلامی نہیں تھا، لہٰذا اسلامی نظام کے لئے ایک الگ ملک بنانے کے لئے یہاں پر لا الہ الا اللہ کا نعرہ علماء نے بلند کیا، جبکہ جمہوریت کی بنیاد عوام کی حاکمیت پر ہے، اور عوام مخلوق ہے اور مخلوق تو اللہ کے ماسوا کو کہا جاتا ہے۔

درجہ بالا وضاحت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ دونوں الگ الگ نظریات ہیں اور ان کے درمیان نسبت تباین کی ہے، جبکہ مَقسم اور قسم کے درمیان تو عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہوتی ہے۔ ہر خاص پر عام کا اطلاق ہوتا ہے جبکہ ہر عام پر خاص کا اطلاق درست نہیں، جیسا کہ انسان اور حیوان کے درمیان ہے کہ ہر انسان حیوان ہے اور ہر حیوان انسان نہیں ہے، لیکن اسلامی جمہوریت کے متعلق ہم ایسا نہیں کہہ سکتے۔

اسلم: لیکن میرا سوال یہ ہے کہ اگر اسلام کو ہم یہاں مَقسم مان لیں تو کیسا ہوگا کہ ایک اسلامی جمہوریت ہو اور ایک اسلامی غیر جمہوریت یعنی خلافت ہو ؟

خالد: آپ یہ بات مانتے ہیں کہ جمہوریت اور اسلام کے درمیان نسبت تباین کی ہے ؟

اسلم: جی ہاں ! وہ تو ثابت شدہ ہے۔

خالد: جس طرح کوئی چیز اپنی ضد کی فصل نہیں بنتی، اسی طرح وہ اس کی جنس بھی نہیں بن سکتی، اس لئے کہ یہاں پر ضد میں ضدیت کا مفہوم طرفَین میں ہوتا ہے، کیا یہ ہو سکتا ہے کہ جماد یا نبات، حیوان کے لئے فصل بن جائے ؟ یا بالعکس وہ حیوان کے لئے جنس بن جائے ؟

اسلم: نہیں۔

خالد: کیوں ؟

اسلم: اس لئے کہ ضدیت طرفَین سے ہوتی ہے اور ہر طرف سے جب یہ مان لیا جائے تو یہ اس باطل کے لئے مستلزم ہوتا ہے کہ چیز اپنی ذات اور ضد کو شامل ہو جائے اور جو چیز باطل کو مستلزم ہو وہ خود باطل ہوتی ہے۔

خالد: توکیا یہاں پاکستان میں جو جمہوریت کو اسلام کی یا اسلام کو جمہوریت کی قسم بنایا گیا ہے، یہ باطل نہیں ؟!

اسلم: بالکل باطل ہے، لیکن یہاں پر جو بعض لوگوں نے اس کو جمع کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اسلامی جمہوریت ہے ؟

خالد: یہ تو صرف الفاظ میں جمع کیا گیا ہے اور اس سے حقائق تبدیل نہیں ہوتے، اگر کوئی یہ کہے کہ اسلامی یہودیت، تو کیا اس سے حقیقتاً کوئی اسلامی یہودیت وجود میں آئے گی ؟!

اسلم: نہیں! لیکن اب دو متضاد چیزوں کے اجتماع کی صورت میں ہم کیا کریں گے ؟ اس کو اسلامی مان لیں یا کفری یا معتزلہ کی طرح کوئی نئ قسم بنالیں جو نہ اسلامی ہو اور نہ کفری ؟

خالد: اب تو آپ کو معلوم ہے کہ جمہوریت حرام اور کفر ہے، اور کفر بُرا اور خسیس ہے۔

اسلم: بالکل یہ مجھے مسلم ہے۔

خالد: جب یہ آپ کو مسلم ہے تو یہ بتایئے کہ جب کوئی چیز یا مقدمہ اشرف اور اخس سے مرکب ہو جائے تو نتیجہ کس چیز کا تابع ہو گا ؟ اشرف کا یا اخس کا ؟

اسلم: نتیجہ تو ہمیشہ اخس وارذل کا تابع ہوتا ہے، یہ معقولاً اور منقولاً دونوں طرح معلوم ہے، کیونکہ کنویں میں اگر ایک قطرہ پیشاب کا پڑ جائے تو کنواں پورے کا پورا نجس ہو جاتا ہے، یہاں پر نتیجہ اخس وارذل (جو کہ پیشاب ہے) کا تابع ہو گیا، اسی طرح اگر اسلام کے ساتھ شرک یا کفر مل ہو جائے تو وہ کفر ہی سمجھا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن کی آیتوں میں سے ایک آیت کا بھی انکار کرے تو وہ کافر ہی متصور ہو گا، اگرچہ یہاں پر اقرار (جو کہ اشرف ہے) بہت بڑے پیمانے پر موجود ہے، انکار (جو کہ اخس وارذل ہے) اگرچہ بہت کم پیمانے پر ہے لیکن اس کو اقرار کے مقابلے میں معتبر مانا جائے گا۔

خالد: اب آپ بتائیں کہ ''اسلامی جمہوریت'' اسلامی (جو کہ اشرف ہے) اور جمہوریت (جو کہ اخس ہے) دونوں سے مرکب ہے کہ نہیں ؟

اسلم: بالکل! ان دونوں لفظوں سے مرکب ہے۔

خالد: اب نتیجہ کیا ہو گا ؟ اسے اسلامی سمجھا جائے گا یا جمہوری ؟

اسلم: جمہوری ہی سمجھا جائے گا، نہ کہ اسلامی۔

خالد: جب جمہوری ہے تو اُسے کیا کہیں گے ؟ کفری یا اسلامی ؟

اسلم: یار! کفری ہی شمار ہو گا۔ ایک تو اس لئے کہ اس کا مفہوم کفری ہے اور دوسرا اِس لئے کہ جمہوریت، اسلام کے علاوہ ایک دوسری چیز ثابت ہوئی اور اسلام کے علاوہ تو کفر ہی ہے۔ ﴿فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ﴾

ترجمہ: اور حق بات کے ظاہر ہونے کے بعد گمراہی کے سوا ہے ہی کیا ؟ (یونس: 23)

خالد: پشتو محاورے کے مطابق: ''خر هم هغه خر دے خو کته ئے بدله ده''.

اسلم: لیکن تھوڑا مجھے بھی سوال کا موقع دیں ؟

خالد: ٹھیک ہے بھائی! آپ پوچھئے۔

اسلم: ہم نے تو یہ ثابت کیا کہ کوئی چیز اپنی ذات اور ضد کو شامل نہیں ہو سکتی، جبکہ صاحبِ سُلّم تو کہتے ہیں: التصور يتعلق بكل شيء حتىٰ بنفسه وبنقيضه. یعنی تصور ہر چیز کے ساتھ متعلق ہو سکتا ہے حتیٰ کہ اپنی ذات اور نقیض کے ساتھ بھی۔ تو اس کا کیا مطلب؟

خالد: میرے پیارے بھائی! یہاں دو جواب ہیں:

1- ہم نے شامل ہونے سے انکار کیا ہے، یعنی کسی چیز پر اپنے ضد کا اطلاق ہونا، اور یہاں پر صاحبِ سُلّم کی عبارت میں (تعلق) ہے یعنی تصور متعلق ہو جاتا ہے اپنی ذات اور نقیض کے ساتھ اور تعلق غیر ہے شمول سے۔

2- تصور وجودِ ذہنی میں سے ہے، اور ہم وجودِ خارجی اور نفس الامری کی بات کرتے ہیں اور وجودِ ذہنی میں بہت کچھ ہو سکتا ہے، جبکہ وجودِ خارجی میں وہ ناممکن ہوتا ہے، جیسا کہ فرض المحال ایک وجودِ ذہنی ہے لیکن اس کا خارجی وجود ناممکن ہے۔

اسلم: میرا دوسرا سوال یہ ہے کہ یہ بات تو سب کے نزدیک مسَلّم ہے کہ نتیجہ اخس وارذل کا تابع ہوتا ہے، لیکن ہمارے فقہاء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ اگر کسی شخص کے قول یا فعل میں ننانوے (99) احتمالات کفر کے ہوں اور ایک احتمال اسلام کا ہو تو فتویٰ دیتے وقت مفتی اس کے مسلمان ہونے کا فتویٰ دے گا، حالانکہ یہاں کفر اسلام کے مقابلے میں اخس وارذل ہے اور ساتھ میں احتمالاتِ کفر زیادہ بھی ہیں لیکن پھر بھی یہاں نتیجہ اشرف کا تابع ہے؟

خالد: بھائی! یہ جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا احتمال وجودِ ذہنی ہے اور وجودِ ذہنی میں بہت کچھ ممکن ہے، لیکن وجودِ خارجی میں ایسا ممکن نہیں ہے، یہاں پر بات احتمالات کی ہے اور احتمال کوئی وجودِ خارجی نہیں ہے، بلکہ احتمال وجودِ ذہنی ہے اور ان میں سے جو خارج میں موجود ہو جائے اس کو احتمال نہیں کہا جائے گا، اس لئے کہ احتمال تو شک کی صورت میں ہوتا ہے اور جب اس کا وجود متعین ہو جائے تو پھر تو یقین آگیا اور جب یقین آتا ہے تو شک نہیں رہ سکتا، اس کی جگہ اگر علامات کی طرف آئیں تو وہ وجودِ خارجی رکھتی ہیں۔ تو ادھر اگر ایک بھی کفر کی علامت متحقق ہو جائے تو کافر قرار دیا جائے گا۔ دیکھو زنار، یا صلیب لٹکانا (باوجود اس کے کہ کلمہ پڑھتا ہو، نماز، روزہ، حج اور زکوۃ سب چیزوں کو مانتا ہو) فقط ایک علامتِ کفر ہے، جبکہ اس کے بالمقابل اسلام کی کتنی علامات موجود ہیں، لیکن نتیجہ اخس وارذل کے تابع ہونے کی وجہ سے بندہ کافر ہی شمار کیا جاتا ہے۔ دیکھیں! اگر کسی نے ایک بات کی اور اس بات میں ننانوے احتمالات کفر کے ہیں اور ایک احتمال اسلام کا ہے، اس وقت تک اس بندے کو کافر نہیں کہا جاتا جب تک کفر کی تعیین نہ ہو، لیکن اگر اُن ننانوے میں سے صرف ایک ہی احتمال متعین ہو جائے اور وجودِ خارجی اس کو ملے، جیسا کہ بالیقین معلوم ہو جائے کہ اس بات سے متکلم کی مقصود یہی ہے اور وہ جو مقصود ہے وہ کفری احتمال ہے، تب اس شخص پر کفر کا فتویٰ ہی لگایا جائے گا، اگرچہ اس ایک احتمال کے تعین سے ایک طرف تو اسلام کا جو ایک احتمال تھا وہ بھی نفی ہو گیا اور ساتھ ساتھ وہ کفر کے باقی اٹھانوے احتمالات بھی منفی ہو گئے، اور ایک ہی احتمال خارج میں موجود ہونے کے بعد کافی سمجھا گیا۔

اسلم: اب میرے ذہن میں یہ بات اچھی طرح راسخ ہو گئی اور میں پوری طرح سمجھ گیا، یقیناً مانعینِ زکٰوۃ کو (باجود ہزاروں علاماتِ اسلام ہونے کے) صرف ایک علامتِ کفر سے مرتد ٹھہرایا گیا۔

خالد: اب آپ کا کیا خیال ہے کہ ملکِ خداداد کا نظام اسلامی ہے یا جمہوری؟

اسلم: ممکن ہے کہ یہ لوگ جمہوری کا لفظ ویسے لغوی معنی (کثرت) میں استعمال کرتے ہوں (جیسا کہ اہل لغت نے استعمال کیا ہے) پھر تو دونوں کے جمع ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے؟! کتُبِ فقہ میں بھی ہم بارہا پڑھ چکے ہیں کہ یہ جمہور کا مذہب ہے اور اس سے کثرت مراد ہے نہ کہ اصطلاحی جمہوریت۔

خالد: انصاف کریں بھائی! ایک تو کبھی معانی لغویہ کلام میں مقصود نہیں ہوتے، بلکہ معانی اصطلاحیہ مقصود ہوتے ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ پاکستان میں (جیسا کہ آئندہ ان شاء اللہ ہم یہ سب کچھ ثابت کریں گے) جمہوریت کے اصطلاحی مفہوم کا پورا مصداق موجود ہے، تو کیسے ہم یہ کہیں کہ ادھر یہ لوگ جمہوریت کو لغوی معنی میں استعمال کرتے ہیں اور تیسری بات یہ ہے کہ اگر بالفرض یہ جمہوریت نہ ہو بلکہ اسلامی خلافت ہو تو پھر ایک شرعی اور دینی مفہوم کے لئے ایک بے دین لفظ کو استعمال کرنے کا کیا حکم ہوگا؟ حالانکہ شرعی اصطلاحات میں ایسا کرنا کسی صورت جائز نہیں ہے۔ نماز کے لئے (نعوذ باللہ) ڈانس کا لفظ استعمال کرنا ٹھیک ہے کیا؟اور پھر یہ (جمہوریت) تو ان کا ایک شعار ہے، لہٰذا کفار کے شعارات سے بچنا چاہئے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہاں ایک بے دین اور سیکولر جمہوریت ہے اور اس کو چھپانے کے لئے یہ الفاظ دہرائے جارہے ہیں، اور جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ اس کی ماہیت کفری ہے (یعنی جمہوریت کی ماہیت کا حکم کفر ہے) اور ماہیت کے بغیر وہ جمہوریت ہو نہیں سکتی، لہذا جب اس کی ماہیت موجود ہو جائے گی تو معاً کفر کا حکم بھی موجود ہوگا۔

اسلم: لیکن بھائی! اس کے علاوہ آپ کے پاس کوئی قطعی دلیل ہے کہ پاکستان کی جمہوریت وہی مغربی جمہوریت ہے؟

خالد: بالکل میرے پاس دلائل موجود ہیں، لیکن میں آپ سے چند سوالات کرتا ہوں؟

اسلم: ٹھیک ہے بھائی! میں بالکل تیار ہوں۔

خالد: آپ کو پتہ ہے کہ اسلام کی بنیاد کس چیز پر ہے؟

اسلم: لاالہ الااللہ پر۔

خالد: یعنی اسلام کی نظر میں بندہ صرف اس لیے مؤمن نہیں ہو سکتا کہ وہ اللہ کو معبود مانتا ہے، بلکہ اللہ تعالی کی الوہیت کے اقرار کے ساتھ ساتھ باطل معبودوں کا انکار بھی لازمی ہے۔

اسلم: بالکل اسی طرح ہے اور اس پر ہمارا ایمان ہے، کیونکہ مکہ کے مشرکین تو اللہ کو مانتے تھے، لیکن اس کے ساتھ شرکاء کو بھی مانتے تھے، جیسا کہ مسلم میں روایت ہے کہ وہ دورانِ حج تلبیہ اس طرح پڑھتے تھے: "لبيك اللهم لبيك، إن الحمد والنعمة لك والملك، لا شريك لك إلا شريكا هو لك تملكه وما ملك".

ترجمہ: میں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں، حمد آپ کے لئے اور نعمت آپ کی طرف سے ہے، آپ کا کوئی شریک نہیں ہے مگر وہ شریک جو آپ کے لئے ہے، آپ اس کے بھی مالک ہے اور جس کا وہ مالک ہے اُس کے بھی آپ مالک ہیں۔(صحیح مسلم، حدیث:1185)

خالد: آپ کو پتہ ہے کہ عبادت کسے کہتے ہیں؟

اسلم: لغوی معنی کے اعتبار سے؟ یا اصطلاحی معنی کے اعتبار سے؟

خالد: میرا مقصد یہ ہے کہ کسی کا قانون اور فیصلہ ماننا عبادت ہے یا نہیں ہے؟

اسلم: بالکل عبادت ہے، اس پر تو علامہ سرخسی رحمہ اللہ کی عبارت گواہ ہے، وہ فرماتے ہیں: "واعلم أن القضاء بالحق من أقوى الفرائض بعد الإيمان بالله تعالىٰ، وهو من أشرف العبادات؛ لأجله أثبت الله تعالىٰ لآدم عليه السلام اسم الخلافة".

ترجمہ: جان لو! کہ حق پر فیصلہ کرنا ایمان باللہ کے بعد اہم ترین فرائض اور اشرف عبادات میں سے ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے لئے خلافت کا نام ثابت کیا۔ (المبسوط للإمام السرخسی، کتاب أدب القاضی)

خالد: اب اگر یہ عبادت (قانون سازی اور فیصلے) دوسروں کے لئے ثابت کیے جائیں تو کیا حکم ہوگا؟

اسلم: نعوذ باللہ، یہ تو شرک ہوگا، صرف یہ (قانون سازی اور فیصلے) نہیں بلکہ تمام عبادات۔

خالد: تو پھر جمہوریت کے اس مفہوم کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جس نے قانون سازی کا حق انسان کے لیے ثابت کیا ہے؟

اسلم: وہ ایک مشرکانہ نظام ہوگا۔

خالد: تو کیا شرک و اسلام ایک ساتھ جمع ہو سکتے ہیں؟

اسلم: نہیں، وہ تو پہلے ثابت ہو گیا، لیکن ایک اور مثال بھی درکار ہے۔

خالد: مسلم کمرشل بینک کا نام آپ نے سنا ہوگا جو کہ سودی نظام پر مبنی ایک بینک ہے؟

اسلم: ہاں! سنا تو ہے۔

خالد: کیا سودی بینک کے ساتھ مسلم اور اسلامی کے لفظ لگانے سے وہ بینک اسلامی بن سکتا ہے؟

اسلم: ہرگز نہیں۔

خالد: تو جس طرح وہاں اسلامی لفظ لگانے سے وہ اسلامی نہیں بن سکتا، اسی طرح یہاں بھی اسلامی لفظ لگانے سے جمہوریت اسلامی نہیں بن سکتی۔

اسلم: بالکل! اس لئے کہ ماہیات کے لوازمات کبھی ماہیات کے افراد سے جدا نہیں ہو سکتے، گویا کہ کفر جمہوریت کے لئے لازمِ اعم ہے اور لازمِ اعم سے ملزوم اخص کا جدا ہونا ممکن نہیں ہے۔

خالد: ایک اور سوال، آپ نے جیسا کہ بتایا کہ دینِ اسلام کی بنیاد لا الہ الا اللہ پر ہے، تو جس طرح دوسرے معبودوں سے اس میں براءت کا اعلان ہے اسی طرح ان کے عابدین، اور ان کے طریقۂ عبادت سے بھی انکار ہوگا کہ نہیں؟

اسلم: جی ہاں! ہوگا، یہ تو ملتِ ابراہیمی کے اصول میں سے ہے، جب انہوں نے اپنی قوم کے معبودوں سے انکار کر کے فرمایا: ﴿فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيٓ إِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

ترجمہ: پس وہ میرے دشمن ہیں، لیکن اللہ رب العالمین (میرا دوست ہے) (الشعراء: 77)

براءت صرف ان کے معبودان سے نہیں بلکہ ان سے بھی براءت کا اعلان کیا، فرمایا:

﴿اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنۡكُمۡ وَمِمَّا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرۡنَا بِكُمۡ وَبَدَا بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمُ الۡعَدَاوَةُ وَالۡبَغۡضَآءُ اَبَدًا﴾

ترجمہ: ہم تم سے اور اُن (بتوں) سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو بے تعلق ہیں (اور) تمہارے (معبودوں کے کبھی) قائل نہیں (ہو سکتے) جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ، ہم میں اور تم میں ہمیشہ کھلم کھلی عداوت اور دشمنی رہے گی۔(ممتحنہ:4)

اور یہ دینِ محمدی کا بھی اصل الاصول ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ ۝ لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ۝ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۝ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ ۝ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۝ لَكُمۡ دِيۡنُكُمۡ وَلِىَ دِيۡنِ ۝﴾

ترجمہ: (اے پیغمبر! منکرینِ اسلام سے) کہہ دیں کہ اے کافرو! جن کو تم پوجتے ہو ان کو میں نہیں پوجتا۔ اور جس (اللہ) کی میں عبادت کرتا ہوں اس کی تم عبادت نہیں کرتے۔ اور (میں پھر کہتا ہوں کہ) جن کی تم پرستش کرتے ہو ان کی میں پرستش کرنے والا نہیں ہوں۔ اور نہ تم اس کی بندگی کرنے والے (معلوم ہوتے) ہو جس کی میں بندگی کرتا ہوں۔ تم اپنے دین پر میں اپنے دین پر۔

خالد: ابراہیم علیہ السلام نے ایک تو عابدین و معبودین سے براءت کی، دوسرا ان کے عقیدے کا انکار کیا، تیسرا ان سے اعلانِ دشمنی کیا، چوتھا ان سے اعلانِ بغض کیا اور پانچواں اس کی علت یہ بیان کی کہ یہ سب کچھ اس وقت تک ہوگا جب تک ان کا کفر موجود ہو اور اللہ وحدہ پر ایمان نہ لائے۔

اسلم: ٹھیک ہے۔

خالد: اب ایک سوال یہ ہے کہ سیکولر اور کمیونسٹ نظریات کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ یہ اسلامی نظریات ہیں یا کفری؟

اسلم: یہ کفری اور بے دین نظریات ہیں، اس لئے کہ سیکولرازم تو اجتماعی اُمور میں دین کو نہیں مانتا اور کمیونزم تو سرے سے دین کا قائل نہیں، مطلب یہ کہ دونوں کسی نہ کسی درجے میں دین کے منکر ہیں، اور اس کے کفر ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

خالد: اب آپ کا کیا خیال ہے کہ کسی نظام کے اسلامی ہونے کے لئے یہ شرط نہ ہوگی کہ اس میں اس طرح کے نظریات کے لئے گنجائش نہ ہو؟

اسلم: بالکل لاالہ الا اللہ کے پہلے جزو یعنی ''لاالہ'' میں ان سب نظریات کی نفی ہے، اور ایمان باللہ سے پہلے کفر بالطاغوت (یعنی اللہ کے ماسوا معبود سے انکار اور کفریہ عقائد و نظریات سے انکار) فرض ہے: ﴿فَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ وَيُؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقٰى﴾

ترجمہ: پس جس نے طاغوت (غیر اللہ معبود و مطاع) سے انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا تو یقیناً اس نے مضبوط رسی کو تھاما۔(البقرۃ:156)

صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ تخلیہ مقدّم ہے تحلیہ پر، کسی کمرے کو رنگ دینے سے پہلے اس سے گندگی کو نکال کر باہر پھینکا جاتا ہے اور منطقی لحاظ سے بھی بات یہی ہے کہ جب تک کوئی شے موجود ہے اس کی ضد کا آنا محال ہے اور دینِ اسلام باقی تمام ادیان کی ضد ہے۔

خالد: کیا اسلامی نظام میں اس کی گنجائش ہے کہ وہ اس طرح کے نظریات کی تبلیغ و ترویج، اشاعت و دعوت کی اجازت دے؟

اسلم: نعوذ باللہ، ہرگز نہیں، اس کی اجازت دینا تو کفر ہے!

خالد: اب آپ کا کیا خیال ہے پاکستان میں مذکورہ نظریات رکھنے والی پارٹیاں موجود ہیں یا نہیں؟

اسلم: بالکل ایسی پارٹیاں موجود ہیں، ان کے قائدین خود اعتراف بھی کرتے ہیں اور ان نظریات کے لئے دعوت بھی چلاتے ہیں اور وقتاً فوقتاً وہ لوگ اسلامی احکامات اور آئین میں موجود بعض اسلامی دفعات پر اعتراضات بھی کرتے ہیں۔

خالد: کیا ان پارٹیوں پر حکومت کی طرف سے کوئی پابندی ہے؟ کیا وہ جلسوں، جلوسوں میں اپنی کمیونسٹ یا سیکولر پارٹی کی طرف دعوت نہیں دیتے؟ اور اس کے لئے جلسے، جلوس اور اجتماعات منعقد نہیں کرتے؟

اسلم: ان پر حکومت کی طرف سے کوئی پابندی نہیں۔ اور وہ جلسے جلوسوں اور اجتماعات منعقد کرنے میں مکمل آزاد ہیں۔

خالد: یہ آزادی ان کو کیوں حاصل ہے؟

اسلم: اس لئے کہ جمہوریت میں ایک تو فکری آزادی ہے، دوسرا یہ کہ اجتماعات منعقد کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔

خالد: یہی وجہ ہے کہ جب مذہبی جماعتیں اقتدار میں آئیں تو اُن کے دورِ حکومت میں بھی یہی لوگ صوبہ سرحد اور دیگر صوبوں میں اپنی سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ جلسے، جلوس اور اجتماعات منعقد کیا کرتے تھے۔

اسلم: آپ ٹھیک کہتے ہیں۔

خالد: اب جس نظام نے ان لوگوں کو کفری نظریات کی طرف دعوت دینے کی اجازت دی ہے وہ اسلامی ہو سکتا ہے؟

اسلم: کیسے ہوگا؟! اسلام کا بنیادی عقیدہ تو اس کی نفی کرتا ہے اور ساتھ ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (جو اسلامی نظام کے تشخص کی بنیادی علامت ہے) اس کی نفی کرتا ہے، اور جو کوئی اس طرح کام کرتا ہے وہ اگر ذمی ہو (جس کے لئے دارالاسلام میں امن ہوتا ہے) تو یہ اس کی طرف سے عہد شکنی سمجھی جائے گی اور اسے قتل کیا جائے گا، چہ جائیکہ وہ آدمی جو ذمی بھی نہ ہو۔ بلکہ یہاں پر میں یہ بھی عرض کروں گا کہ قانونی اور عمومی سطح پر کفار سے تو جزیہ ساقط کرنا بھی علماء نے کفر قرار دیا ہے، چہ جائیکہ ان کو اس حد تک آزادی دی جائے کہ وہ اپنے نظریات کی دعوت بھی چلائیں۔

خالد: تو وہ نظام کیسے اسلامی ہو گا جس نے اس قسم کی پارٹیوں کو کھلی چھٹی دی ہو؟

اسلم: اسلامی تو نہیں، البتہ مرتد کو قتل نہ کرنا جرم تو ہے لیکن کفر تو نہ ہو گا، میرے خیال میں۔

خالد: آپ کی بات ٹھیک ہے، لیکن ایک اس کو قتل نہیں کرنا ہے اور دوسرا اس کو قانونی تحفظ فراہم کرنا ہے اور باطل نظریات پر قائم پارٹیوں کو جلسے، جلوسوں اور کفری نظریات کی طرف دعوت دینے کی آزادی دینا، اور اس پر پابندی لگانے کو جرم قرار دینا ہے، یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، مثال کے طور پر کسی بادشاہ نے اپنی رعیت میں ایک مرتد شخص کو سزا نہیں دی تو اس کا حکم الگ ہے کہ وہ گنہگار ہے، لیکن ایک حکومت اور نظام میں مستقل قانون یہی ہے کہ ارتداد پر کسی شخص کو قتل نہیں کیا جائے گا، اس کا الگ حکم ہے۔ جبکہ یہاں پر جمہوریت کے بنیادی حقوق (ہیومن رائٹس) تو اس سزا کو جرم قرار دیتے ہیں۔ کیا کسی شرعی حکم کو جرم کہنا اور لا قانونیت کہنا اسلام ہے؟

اسلم: نعوذ باللہ، یہ تو بدترین کفر ہو گا۔

خالد: تو اب آپ کا کیا خیال ہے کہ پاکستان کی اسلامی جمہوریت اور مشرقی جمہوریت جس نے اس طرح کی آزادی دی ہے اور وہ لوگ جب

اپنی انتخابی کمپائن چلاتے ہیں تو صاف اپنے باطل عقیدے کی دعوت چلاتے ہیں، اوران میں سے بعض تو صاف کہتے ہیں کہ ہم نتائج کی پرواہ کیے بغیر پاکستان کو ایک سیکولر اور لبرل ملک بنائیں گے، جیسا کہ متحدہ قومی مومنٹ کے فاروق ستار کا بیان ہے (جو کہ نیٹ پر موجود ہے اور القاعدہ کے نشر و اشاعت کے ادارے ''السحاب میڈیا'' نے ایک ویڈیو کلپ "شریعت یا ''جمہوریت'' کے عنوان سے نشر کیا ہے) ان لوگوں کو جمہوریت نے مکمل آزادی دی ہے اور اسی طرح اسفندیار (جو کہ عوامی نیشنل پارٹی کا مرکزی لیڈر رہے) نے انڈیا کے دورے کے دوران خود اعتراف کیا کہ وہ ایک سیکولر آدمی ہے، اور عمران خان (تحریکِ انصاف کے لیڈر) نے خود کہا کہ میں لبرل آدمی ہوں، ان لوگوں کو یہ آزادی پاکستانی جمہوریت نے دی ہے یا برطانوی جمہوریت نے؟

اسلم: نہیں، بلکہ پاکستانی جمہوریت نے دی ہے، اس لئے کہ یہاں پاکستان میں کسی دوسرے ملک کا قانون تو لاگو نہیں۔

خالد: تو پھر کیا پاکستانی جمہوریت اسلامی ہو سکتی ہے؟

اسلم: نہیں بھائی! کیسے اسلامی ہو گی۔

خالد: اب میں آپ سے ایک اور سوال پوچھتا ہوں کہ جب صوبہ سرحد (خیبر پختونخواہ) میں مذہبی لوگوں کی حکومت تھی تو انہوں نے کیوں صوبہ سرحد میں سیکولر پارٹیوں کے جلسوں، جلوسوں اور اجتماعات پر پابندی نہیں لگائی اور اُن کو کالعدم قرار نہیں دیا؟

اسلم: وہ مجبور تھے۔

خالد: کیا مجبوری تھی؟

اسلم: اس نظام سے مجبور تھے جس نے سب کو اجازت دی ہے کہ وہ اپنے عقیدے اور نظریئے کی دعوت دے سکتے ہیں۔

خالد: یعنی پاکستانی نظام سے مجبور تھے؟

اسلم: جی ہاں! اس لئے کہ یہاں تو کسی اور ملک کا نظام نہیں ہے۔

خالد: پھر تو پاکستانی جمہوریت اس باطل کی طرف دعوت دینے کا جواز فراہم کر رہی ہے اور لوگوں کو اس پر مجبور کر رہی ہے کہ وہ مسلمان ہونے کے باجود بھی کفر کی دعوت چلانے والوں پر آنکھیں بند کیے رکھیں اور ان کے خلاف کسی قسم کی کارروائی بروئے کار لانا لاقانونیت ہو گی، تو پھر یہ کیسے اسلامی نظام ہوا؟ حالانکہ اسلام کی بنیاد لا الہ الا اللہ پر ہے (جو ہر قسم کے باطل کو رد کرتا ہے) جبکہ پاکستان میں تو ان کو ایسا جواز فراہم کیا ہے کہ جب ان پر پابندی لگائی جاتی ہے تو وہ اسی قانون اور آئین کی کسی شق سے دلیل پکڑ کر کسی بھی پاکستانی عدالت میں آپ کو چیلنج کر سکتے ہیں، تو کیا یہ پاکستانی نظام کی کارستانیاں نہیں؟

اسلم: یہ تو ٹھیک ہے، لیکن پاکستانی جمہوریت کی بنیاد تو آئینِ پاکستان پر ہے اور اس میں درج ہے کہ حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے؟

خالد: کیا آپ قراردادِ مقاصد کی بات کرتے ہیں؟

اسلم: جی ہاں!

خالد: قراردادِ مقاصد کی بنیاد کس چیز پر ہے؟

اسلم: قراردادِ مقاصد پیش کرتے وقت ان کی دلیل یہ تھی کہ پاکستان اسلامی جمہوری ملک ہے اور پاکستان لا الہ الا اللہ کی بنیاد پر بنایا گیا تھا۔

خالد: جمہوریت کے بارے میں عرض ہو چکا کہ وہ اسلامی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

اسلم: جب جمہوریت کا لفظ آجائے تو اسلامی کا لفظ باطل ہو جاتا ہے اور جب اسلامی کا لفظ نہ رہا تو لا محالہ کفری آئے گا، تاکہ ارتفاعِ نقیضین لازم نہ آئے۔

خالد: اب ایک تو آپ کو یہ معلوم ہوا کہ خود قرار دادِ مقاصد کی بنیاد جمہوریت پر ہے، لہذا قرار دادِ مقاصد اسلامی نہیں، اور جب قرار دادِ مقاصد اسلامی نہیں تو اس کی وجہ سے آئین کیسے اسلامی بنے گا، جبکہ موصوف بالعرض کی صفت موصوف بالذات سے مکتسب ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر زمین کی روشنی سورج سے حاصل شدہ (مکتسب) ہے، یعنی زمین بالعرض روشنی سے موصوف ہوتی ہے اور سورج بالذات روشنی سے متصف ہے، چنانچہ زمین کی روشنی سورج سے مکتسب ہے، اگر آفتاب کی روشنی ختم ہو جائے تو زمین آفتاب سے منور نہیں ہو سکتی۔ اب اگر آئینِ پاکستان کی اسلامیت قرار دادِ مقاصد سے مکتسب مانی جائے، لیکن خود قرار دادِ مقاصد اسلامی نہیں (چونکہ اس کی بنیاد جمہوریت پر ہے) تو وہ آئین کو کیسے اسلامی بنائے گی، اس لئے کہ إثبات الشيء للغير فرع ہے ثبوت الشيء في نفسه کا۔

اسلم: بالکل ٹھیک ہے۔

خالد: اور خود یہ بات کہ ''حاکمیتِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے'' آئین کا حصہ بننے کے لئے معیار بذاتِ خود یہ جملہ نہیں ہے اور نہ قرآن کی کوئی آیت ہے، بلکہ قرآن وسنت کے بعد اس کے لئے معیار اکثریت ہے، یعنی قرار دادِ مقاصد جو اس بات پر مشتمل ہے تب آئین کا حصہ بن گئی ہے جب اکثریت نے اس کو پاس کیا، اسی طرح دفعہ 227 کا حال ہے، یعنی اُسے بھی اکثریت کے پاس کرنے کی بنیاد پر آئین کا حصہ مانا گیا ہے۔ لہذا اس کی بنیاد کھوکھلی ہے، جبکہ قرآن کریم رسول کی اطاعت کو صرف اس لئے واجب قرار دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا امر ہے، چاہے اکثریت مانے یا نہ مانے:

﴿وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن رَّسُوْلٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللهِ﴾(النساء:64) لِيُطَاعَ بِالْأَكْثَرِيَّةِ نہیں ہے بلکہ ﴿لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللهِ﴾ ہے۔

اب میں ایک اور سوال آپ سے پوچھتا ہوں، وہ یہ کہ قرار دادِ مقاصد میں موجود حاکمیت اعلیٰ کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کی حیثیت میرے خیال میں ایک شخص کے لا الہ الا اللہ پڑھنے سے زیادہ نہیں؟ آپ کا کیا خیال ہے؟

اسلم: بالکل اس کی حیثیت ایسی ہے جیسا کہ کوئی لا الہ الا اللہ پڑھے، تو وہ شخص مسلمان سمجھا جائے گا، کیونکہ اس نے معبودیت کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کیا جس میں حاکمیت بھی آتی ہے۔

خالد: اب اگر کسی شخص سے لا الہ الا اللہ پڑھنے اور اس کے اقرار کرنے کے باوجود اَماراتِ تکذیب یا علاماتِ کفر یا باصطلاحِ محدثین مُکفِّرات میں سے کوئی عمل صادر ہو جائے تو کیا ایسا شخص فقط "لا الہ الا اللہ" پڑھنے سے مسلمان سمجھا جائے گا؟

اسلم: ایسا شخص مرجئہ کے نزدیک تو مسلمان ہو گا، لیکن اہل السنت والجماعت کے مطابق وہ مسلمان نہیں سمجھا جائیگا، بلکہ وہ کافر کہلائے گا۔

خالد: ہم کس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں؟

اسلم: ہم تو اہل السنت والجماعت سے تعلق رکھتے ہیں، اور اللہ کی پناہ مانگتے ہیں مرجئہ اور خوارج کے باطل عقائد سے۔

خالد: اب میں سوال کرتا ہوں کہ اگر آئینِ پاکستان میں باوجود اس کے کہ حاکمیت اعلیٰ کو اللہ تعالی کی جانب منسوب کیا گیا ہے، اگر اس میں کفری علامات (اَماراتِ کفر) پائی جائیں تو کیا حکم ہوگا؟

اسلم: وہ تو لامحالہ کفر ہوگا، اس لئے کہ کسی شخص میں عام گناہوں (جو اَماراتِ کفر نہ ہوں) کا موجود ہونا باعث کفر نہیں ہوتا، بلکہ صرف ان گناہوں کا موجود ہونا کفر ہوتا ہے جو اَماراتِ تکذیب ہوں، جبکہ آئین تو مُحَلِّل اور مُحَرِّم ہوتا ہے اور اس صورت میں اگر وہ ایک عام گناہ کی بھی اجازت دیدے (جو اماراتِ کفر میں سے نہ ہو) تو بھی وہ کفر سمجھا جائے گا، کیونکہ تحليل الحرام اور تحريم الحلال تو کفر ہی ہے، چاہے اس کا تعلق پہلی قسم کے گناہوں سے ہو یا دوسری قسم کے، یعنی کسی شخص میں کسی گناہ کا موجود ہونا اور قانونچہ اور آئین میں اس کا موجود ہونا الگ الگ بات ہے اور کسی عام گناہ کا (جو مُکَفِّر نہ ہو) آئین اور قانونچہ کے اندر اس کا موجود ہونا اس کے فسق کی دلیل نہیں، بلکہ اس کے کفر کی دلیل ہے، جبکہ کسی شخص میں غیر مُکفر گناہ کا موجود ہونا اس کے فسق کی دلیل تو ہو سکتی ہے اہل سنت کے نزدیک، کفر کی نہیں ہوتی۔ اس میں فرق کرنا بہت ضروری ہے۔ مجموع الفتاویٰ میں ہے:

والإنسانُ متىٰ حلَّل الحرامَ المُجمَعَ عليهِ أو حرَّم الحلالَ المُجمَعَ عليهِ كان كافرًا مُرتدًّا بِاتفاقِ الفُقهاء.

ترجمہ: اور انسان جب اجماعی حرام کو حلال ٹھہرائے یا اجماعی حلام کو حرام ٹھہرائے تو وہ باتفاقِ فقہاء کافر و مرتد ہوگا۔ (ج:3، ص:267)

اور تحلیل و تحریم کا معنیٰ جیسا کہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں بیان کیا ہے کہ حکومت کوئی قانون نافذ کرے کہ فلاں چیز پر مواخذہ ہوگا اور فلاں چیز پر نہیں ہوگا۔

خالد: ماشاءاللہ! آپ نے بالکل صحیح تحقیق کی، اور اب اگر اس دفعہ (یعنی حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالی کو حاصل ہے) کا کوئی مناقض دفعہ اس قانون میں موجود ہو تو پھر کیا حکم ہوگا؟

اسلم: پھر تو یہ دفعہ، آئین کو کبھی بھی اسلامی نہیں بنا سکے گی۔

خالد: اب آتے ہیں اس دفعہ کی طرف جو آرٹیکل 4 میں درج ہے کہ جرم و سزا کی تعیین ملک میں صرف اور صرف رائج قانون کرے گا، یعنی کسی قول و فعل کو جرم کہنا بھی ان کے ہاتھ میں ہے اور اس کے لئے سزا کی تعیین بھی اُن کے ہاتھ میں ہے۔ اب اگر اللہ تعالی کو حاکم اعلیٰ اور حاکم مطلق مانتے ہیں تو کیا یہ لازم نہیں کہ جرم و سزا کی تعیین اس کے لئے چھوڑ دی جائے۔ حالانکہ قاعدہ یہ ہے:

لا جريمة ولا عقوبة إلا بنص.

ترجمہ: نص کے بغیر نہ کوئی جرم ہے اور نہ کوئی سزا۔ (الفقه الإسلامي لوهبة الزحيلي، 638/4) یعنی جرم و سزا کی تعیین نص (قرآن و سنت) ہی کرے گا۔

اور پھر اس کی روشنی میں یہ دو قاعدے فقہاء نے متفرع کیے ہیں: "لا حكم لأفعال العقلاء قبل ورود النص".

ترجمہ: نص کے آنے سے پہلے عقلاء کے افعال کا کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔(الفقه الإسلامى لوهبة الزحيلى، 638/4)

اور"الأصل في الأشياء الإباحة".

ترجمہ: اشیاء میں اصل اباحت ہے۔(الفقه الإسلامي، لوهبة الزحيلي، 638/4)

گویا کہ ان کے نزدیک یہ قوانین نصوص کی طرح ہیں۔ پس جس طرح مسلمانوں کے یہاں جرم وسزا کی تعیین نص پر موقوف ہے، ان (جمہوریوں) کے نزدیک ملک میں رائج قانون پر موقوف ہے اور اسی طرح جس جرم کا ارتکاب اس کے قانون بننے سے پہلے ہو جائے (تو اگرچہ اس کی سزا شریعت میں موجود ہو) لیکن وہ لا حكم لأفعال العقلاء قبل ورود النص کی طرح بلا حکم سمجھا جاتا ہے اور اس پر کوئی سزا نہیں دی جاسکتی۔ یعنی انہوں نے اپنے قوانین کو نص کا درجہ دے کر جرائم وعقابات کی تعیین کا مکمل طور پر انحصار اس پر کیا ہے۔

اسلم: جی ہاں! لیکن اگر ملک میں رائج قانون اسلامی ہو تو بس اس کے جرم کا تعیین کرنا (یعنی کسی چیز کو جرم قرار دینا) اور سزا کا تعیین کرنا (یعنی کہ اس جرم کے لیے اتنی سزا مقرر رہے) اللہ کی تعیین ہے۔ تو یہ تو پھر اللہ جل جلالہ کے لئے چھوڑی گئی؟

خالد: بالکل! لیکن اگر اس پر دلیل دی جائے کہ اس طرح نہیں ہے تو پھر؟

اسلم: تو پھر اسلامی نہیں سمجھا جائے گا۔

خالد: اب مثال کے طور پر کمیونسٹ، سوشلسٹ اور نیشنلسٹ پارٹیاں جن نظریات کو پھیلاتی ہیں یہ جرم ہے کہ نہیں؟

اسلم: بالکل یہ تو کفر، شرک اور الحاد ہے، ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (بے شک شرک بڑا ظلم ہے)۔(لقمان:13)

خالد: لیکن ملک کے رائج قانون نے ان کے اس عمل کو جرم قرار دیا ہے؟

اسلم: نہیں! اس لئے کہ اگر اس عمل کو جرم قرار دیا ہوتا تو اس کے لئے سزا مقرر ہونی چاہئے تھی، حالانکہ ان کو کھلی اجازت دی گئی ہے اور اس پر پابندی لگانا ہی آئین اور جمہوریت کی رو سے لا قانونیت شمار کیا جائے گا۔

خالد: جب اس عظیم جرم کو جرم قرار نہیں دیا تو معلوم ہوا کہ حاکمیتِ اعلیٰ عوام کی ہے اللہ تعالی کی نہیں، اگر حقیقتاً اللہ تعالی کی حاکمیت ہوتی تو باطل نظریات پر پابندی ہوتی۔

اسلم: اس سے تو معلوم ہوا کہ پاکستان میں اللہ تعالی کی حاکمیت نہیں، کیونکہ یہ قول اس قول کا مناقض ہے اور وہ دفعہ اس دفعے سے منسوخ کی گئی ہے۔

خالد: ایک اور سوال ہے، سنیما چلانا کیسا ہے؟

اسلم: نعوذ باللہ، جرم ہے۔

خالد: لیکن حکومتِ پاکستان نے اس کو جرم قرار دیا ہے؟

اسلم: نہیں، بلکہ سینسر قوانین کی رُو سے اس کی اجازت بھی ہے اور خطرے کے وقت قانون نافذ کرنے والے ادارے سنیما پر ڈیوٹی بھی دیتے ہیں، تاکہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچائے۔

خالد: تو پھر؟

اسلم: تو پھر یہ ہے کہ ملک میں رائج قانون نے اسے جرم قرار نہیں دیا ہے، اگرچہ اللہ کے نزدیک یہ عظیم جرم ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اور جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی (یعنی تہمت کی خبر، بدکاری) پھیلے ان کو دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہوگا اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔(النور:19)

خالد: جہاد کرنا کیسا ہے؟

اسلم: جائز ہے، بلکہ کفار کے خلاف لڑنا ایک شرعی فریضہ ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ﴾ (مسلمانو) تم پر (اللہ کے رستے میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے وہ تمہیں ناگوار تو ہوگا۔(البقرۃ:216)

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾الآیۃَ. ان لوگوں کے خلاف لڑو جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روزِ آخرت پر (یقین رکھتے ہیں) اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں اور نہ دینِ حق کو قبول کرتے ہیں، اُن لوگوں میں سے جو اہلِ کتاب ہیں۔(التوبہ:29)

خالد: جہاد کو حکومتِ پاکستان نے کیا قرار دیا ہے؟

اسلم: جرم قرار دیا ہے، اس لئے تو مجاہدین کو جیلوں میں بند کرتے ہیں۔

خالد: تو کیا انہوں نے فریضہ کو جرم قرار نہیں دیا؟

اسلم: لیکن وہ پاکستان میں جہاد کو اس حیثیت سے جرم قرار نہیں دیتے کہ یہ ایک فریضہ ہے، بلکہ اس لئے جرم قرار دیتے ہیں کہ آپ لوگ ان کے خلاف لڑتے ہیں؟

خالد: نہیں بھائی! میں آج کل کی بات نہیں کر رہا ہوں، یہ جنگ تو تب شروع ہوئی جب انہوں نے خود طالبان کے خلاف جنگ شروع کی تھی، یعنی 2001ء کے بعد جب انہوں نے مختلف آپریشن شروع کیے اور امریکیوں کے خلاف لڑنے والے مجاہدین کو گرفتار کیا عبدالسلام ضعیف، استاذ یاسر، ملا عبید اللہ اخوند، ابوالفراج، احمد خلفان وغیرہ کو جب انہوں نے گرفتار کر کے امریکہ کے حوالے کیا، ان کا جرم صرف جہاد تھا، ان لوگوں نے تو پاکستان میں کاروائیاں نہیں کی تھیں۔

اسلم: بالکل بھائی! ان کا تو کوئی دوسرا جرم نہیں تھا۔

خالد: اب اس جرم (جہاد) کی وجہ سے مجاہدین کو گرفتار کرنا اور امریکہ کے حوالہ کرنا کیا قانوناً جرم قرار دیا گیا ہے؟ (کہ انہیں عدالت بلایا گیا ہو اور انہیں سزا دی گئی ہو)

اسلم: آپ کی بات ٹھیک ہے، لیکن پرویز مشرف کو تو انہوں نے آج کل گرفتار کیا ہے۔

خالد: لیکن اس کی گرفتاری کی وجہ مجاہدین کو پکڑ کر امریکہ کے حوالہ کرنا نہیں۔

اسلم: لیکن ایک وجہ تو وہ قبائل میں ڈرون حملوں کی اجازت بتاتے ہیں۔

خالد: بھائی! وہ تو الگ بات ہے، اس کی وجہ ملکی خود مختاری کو پامال کرنا ہے، اس لئے نہیں کہ اس نے مسلمانوں اور مجاہدین کے خلاف قبائل میں ڈرون حملوں کی اجازت کیوں دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکی ڈرون کے بارے میں تو اسے عدالت میں بلوایا جاتا ہے، لیکن اس نے جو خود قبائل میں آپریشنوں کا آغاز کیا ہے اس جرم کی پاداش میں اسے مجرم قرار نہیں دیا گیا، بلکہ آج کل بھی اسی پالیسی پر حکومت عمل پیرا ہے۔

اسلم: ابھی مان لیا اور دل مطمئن ہو گیا، کہ انہوں نے ان آپریشنوں کو جرم قرار نہیں دیا۔

خالد: کس نے جرم قرار نہیں دیا؟

اسلم: ملک میں رائج قانون نے۔

خالد: تو کیا پتہ چلا کہ ملک میں رائج قانون اسلامی ہے؟! اور حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے؟!

اسلم: نہیں بھائی! اللہ معاف فرمائے، میں غلطی پر تھا۔ یہ تو بہت بڑا جرم ہے، کیونکہ یہاں پر تو انہوں نے مجاہدین کو جہاد کی وجہ سے قتل کیا اور یہ تو کسی کو دین کی وجہ سے قتل کرنا ہے جو کہ کفر ہے۔ شرح العقائد میں تفتازانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قاتِلُ المؤمنِ لكونه مؤمنًا لا يكون إلا كافرًا.

ترجمہ: مؤمن کو مؤمن ہونے کی وجہ سے قتل کرنے والا کافر ہی ہے۔

اور مجموع الفتاویٰ میں ہے:

"أما إذا قتله علىٰ دين الإسلام مثل ما يقاتل النصراني المسلمين على دينه، فهذا شر من الكافر المعاهد، فإن هذا كافر محارب بمنزلة الكفار الذين يقاتلون النبي وأصحابه، وهؤلاء هم مخلدون في جهنم كتخليد غيرهم من الكفار".

ترجمہ: جب وہ اس کو دین اسلام پر قتل کرے جیسا کہ عیسائی مسلمان کو اس کے دین پر قتل کرتے ہیں تو یہ معاہد کافر سے بدتر کافر ہے، پس یہ حربی کافر ہے ان کفار کی طرح جنہوں نے پیغمبر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے جنگ کی ہے اور یہ لوگ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہوں گے جیسے کہ ان کے علاوہ دیگر کفار ہمیشہ جہنمی ہوں گے۔ (ج:34، ص:137)

اسلم: لیکن ان لوگوں نے افغانستان میں روس کے خلاف مجاہدین کی مدد کی تھی؟

خالد: آپ افغان جہاد کی بات کرتے ہیں، بھائی جان! روس کے خلاف جہاد کرنے والوں کی مدد صرف دنیاوی مفادات کی خاطر تھی، وہ تو امریکہ نے بھی کی تھی، کیا امریکی حکومت اس مدد کی وجہ سے مسلمان ہو جائے گی؟

ایک اور تماشہ دیکھیں! اُس وقت بعض پارٹیاں (جیسے نیشنل پارٹی وغیرہ) اس جہاد کے خلاف تھی وہ لوگ آج کے جہاد کو جرم قرار دیکر اپنی دُور اندیشی کو ثابت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم نے تو اس وقت کہا تھا کہ یہ جہاد نہیں فساد ہے۔ اب روس کے خلاف جہاد کو جرم و فساد کہنے والوں کے خلاف کوئی بھی یہ مقدمہ نہیں چلا سکتا (کہ یہ لوگ اس جہاد کو جو اجماعی جہاد تھا جرم قرار دیتے ہیں اور جہاد

تو جرم نہیں بلکہ فریضہ ہے۔اب یا یہ لوگ اس عمل سے منع ہو جائیں اور اپنی یہ بکواس بند کریں یا ان کو ارتداداً قتل کیا جائے) کیونکہ کسی کے پاس قانون میں کوئی ایسی شق نہیں ہے کہ اس کا سہارا لیا جائے اور ان کو اس شق کے تحت مجرم قرار دیا جائے، بلکہ قانون تو جمہوری ہے اور اس میں رائے اور اظہارِ خیال کی آزادی ہے، چاہے کوئی کسی عملِ خیر کو جرم قرار دے اور چاہے کوئی گناہ کے کام کو مباح قرار دے، اس لئے کہ جمہوریت میں مذہبی سوسائٹی نہیں بلکہ سول سوسائٹی ہے اور سول سوسائٹی کی خصوصیت یہی ہے کہ خیر وشر اور حلال وحرام اور شرعی احکامات کی تفسیر کے لئے ان کے ہاں صرف عقلِ انسانی معیار ہے۔

اسی طرح آج کل اگر یہ لوگ پاکستان میں لڑنے والے مجاہدین پر ردّ کرتے ہیں تو ان میں سے بے لاگ بات کرنے والے کہتے ہیں کہ ان میں ایک نمبر اور دو نمبر (اچھے اور بُرے) نہیں، بلکہ سب شر پسند ہیں اور سب کے خلاف آپریشن کرنا چاہئے۔ یہ تو ٹھیک ہے، اگر کوئی پاکستانی مجاہدین کے بارے میں اس بات (سب شر پسند) کو جرم قرار نہیں دیتا، اس لئے کہ وہ ان کے خلاف لڑتے ہیں تو افغانی طالبان کے بارے میں اور القاعدہ کے بارے میں تو یہ بات (کہ ان کا جہاد فساد ہے) جرم قرار دیا جائے اور اس میں ان کے خلاف مقدمہ چلایا جائے، اگر حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے، اس لئے کہ وہ تو امریکہ کے خلاف لڑتے ہیں تو اس طرح کی بکواس تو اللہ کی قانون کی رو سے کفر ہے (جو سب کے نزدیک مسلم ہے)، لیکن حاکمیت اعلیٰ ان کے نزدیک ایک بے ضرر عہدہ ہے جو نہ کسی کو فائدہ دیتا ہے اور نہ نقصان، اس لئے الفاظ کی حد تک اسے اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا ہے۔

خالد: امریکیوں کو اسلامی امارت کے خلاف اڈے دینا کیا جرم نہیں ہے؟

اسلم: بالکل ہے۔

خالد: لیکن اس پر پرویز مشرف کو کیوں مجرم نہیں ٹھہرایا جاتا؟

اسلم: اس لئے کہ ملک میں رائج قانون اس عمل کو جرم نہیں کہتا ہے، بلکہ یہ سب کچھ تو بین الاقوامی قوانین کے تحت ہوا، کیونکہ یہ جنگ اقوامِ متحدہ اور سلامتی کونسل کے حکم پر ہوئی، اور اقوام متحدہ کی منشور میں یہ بات درج ہے کہ مفادِ عامہ کے لئے اسلحہ اٹھاتے وقت اقوام متحدہ میں موجود تمام ممالک متحد ہوں گے اور ہر ایک اپنی استطاعت کے مطابق مدد کرے گا، پاکستان کے بس میں اڈے فراہم کرنا تھا اس نے اپنا حصہ ڈالا۔

خالد: تو کیا اللہ تعالیٰ (جو پوری دنیا کا حاکم اعلیٰ ہے، اس) کے نزدیک بھی مسلمانوں کے خلاف کفار کی مدد کرنا جرم نہیں؟

اسلم: سبحان اللہ! کیوں نہیں ہے، بلکہ ہمارے فقہاء، خصوصاً شیخ المشائخ علامہ حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے تو اس عمل کے بارے میں اجماعِ امت نقل کیا ہے کہ یہ ایک بدترین کفر ہے۔(ارشادات مدنی، ص: 221،222)

خالد: تو اب آپ کو کیا پتہ چلا کہ جرم وسزا کا تعین ملک میں رائج قانون کرے گا اس سے کیا اللہ کا قانون مراد ہے؟

اسلم: نہیں، یہ تو اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے: ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ (الانعام: 21)

خالد: اور اسی طرح آج کل جب پاکستانی عوام نے نیٹو سپلائی کو بند کیا تو پشاور کے چیف جسٹس نے راستہ کھولنے کا آرڈر یوں جاری کیا کہ ''راستہ کھولا جائے، کیونکہ یہ آئین کے خلاف ہے''۔ اب جس آئین کے مطابق مسلمانوں کے خلاف کفار کی مدد کی جارہی ہے کیا وہ اسلامی

آئین ہے ؟

اسلم: جی نہیں ! بلکہ یہ تو انہوں نے باقاعدہ کفر کی اجازت دی ہے۔

خالد: اب میں آتاہوں اس طرف کہ آیاپاکستان میں شراب کی فیکٹریاں موجود ہیں کہ نہیں ؟

اسلم: بالکل موجود ہیں، اسلام آباد کے قریب ''مری'' میں شراب کی سب سے بڑی فیکٹری ہے، نیٹ پر میں نے اس کے اشتہارات بھی پڑھے ہیں۔

خالد: کیا حکومت کو پتہ نہیں ہے ؟

اسلم: پتہ کیوں نہیں ہے، لیکن حکومت میں بیٹھے لوگ تو خود عیاش و فحاش ہیں۔

خالد: نہیں بھائی ! حکومت میں مذہبی لوگ بھی بعض دفعہ آئے ہیں، انہوں نے کیوں پابندی نہیں لگائی ؟ اور کیوں مطالبہ نہیں کیا؟ فیکٹری والوں کے خلاف کسی نے عدالت میں کیس کیوں دائر نہیں کیا؟ اور ان کو کیوں نہیں بلایا؟

اسلم: اس لئے کہ حکومت کی طرف سے ان کی فیکٹری رجسٹرڈ ہے، اس وجہ سے کوئی ایسا نہیں کر سکتا۔

خالد: اب کیا قانون نے ان کو اجازت نہیں دی ؟ !

اسلم: بالکل قانون نے ان کو ایک ایسے کام کی اجازت دی جو شرعاً حرام ہے۔

خالد: اب پہلے کی طرح، کیا یہ اجازت اللہ کی طرف سے دی گئی ہے ؟

اسلم: نعوذ باللہ ! اللہ کے ہاں تو یہ جرم عظیم ہے۔

خالد: تو کیا قانونی سطح پر انہوں نے اس کا جرم ہونا ختم نہیں کیا؟

اسلم: جی ہاں۔

خالد: تو کیا یہ جھوٹ نہیں بولتے کہ حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالی کو حاصل ہے ؟

اسلم: جی ہاں ! یہ بالکل جھوٹے ہیں۔

خالد: بس یہی وجہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ (یہ آرٹیکل کہ جرم و سزا کی تعیین ملک میں رائج قانون کرے گا) اس آرٹیکل کہ (حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالی کو حاصل ہے) کو چیلنج کرنے والا ہے اور پھر ترجیح بھی اس کو دی گئی ہے، بس انہوں نے اللہ تعالی سے بغاوت کر کے بعض جرموں کو غیر جرم قرار دیا اور بعض غیر جرم کو جرم قرار دیا ہے۔ اسی وجہ سے ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک کفری قانون ہے۔

اسلم: واہ بھائی ! اللہ اکبر ! اللہ اکبر ! اللہ اکبر ! یہ کیا ہے ؟ ! میں تو حیران ہو گیا۔

خالد: اور آگے جا کر میں وہی سوال ایک اور انداز میں کرنا چاہتا ہوں، بھائی ! پاکستان میں سیاسی پارٹیاں کتنی اقسام کی ہیں ؟

اسلم: میرے خیال میں دو قسم کی ہیں: ایک دائیں بازو (ہاتھ) کی پارٹیاں جو کہ مذہبی پارٹیاں ہیں اور دوسری قسم کی پارٹیاں بائیں بازو (ہاتھ) کی ہیں جو کہ سیکولر جمہوری، کمیونسٹ، سوشلسٹ اور قوم پرست جماعتیں ہیں۔

خالد: اب بھائی یہ دائیں بائیں کس چیز کی ہے ؟ یہ اسلام کے دائیں بائیں ہیں یا جمہوریت کے ؟ اگر اسلام کے دائیں بائیں ہیں تو ایک تو یہ کہ

اسلام میں تو دائیں بائیں کا کوئی تصور نہیں، بلکہ اسلام تو ایک ہی راستہ ہے، اور اس کے دائیں بائیں کفر والحاد ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾

ترجمہ: اور (اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ) یہ میری سیدھی راہ ہے، سو اس پر چلو، اور دیگر راستوں پر مت چلو کہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے جدا کر دیں گے۔ (الانعام: 153)

اس سے معلوم ہوا کہ ایک صراط مستقیم راستہ ہے، نہ دائیں کوئی راستہ ہے اور نہ بائیں، اس پر جانا ہو گا اور اگر کوئی اس پر نہ ہو تو پھر سب راستے جہنم کو جاتے ہیں۔ حدیث میں ہے: خط لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم خطا فقال: "هذا سبيل الله". ثم خط خطوطا عن يمينه وعن شماله، ثم قال: "هذه سبل، وعلى كل سبيل منها شيطان يدعوا إليها". ثم تلا ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا﴾ الیٰ آخر الآية.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط کھینچا پھر فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے۔ پھر اس کے دائیں اور بائیں طرف خطوط کھینچے، پھر فرمایا: یہ راستے ہیں، اور ان میں سے ہر راستے پر شیطان بیٹھا ہے، جو اس کی طرف دعوت دیتا ہے۔ پھر ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا﴾ آخر آیت تک تلاوت فرمائی۔ (صحیح ابن حبان، باب الاعتصام بالسنۃ، حدیث: 6)

معلوم ہوا کہ نہ دائیں ہاتھ والی پارٹی اسلامی ہے اور نہ بائیں ہاتھ والی، بلکہ یہ شیطان کی پارٹیاں ہیں۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ اسلام کبھی بھی بائیں ہاتھ کے نظریات کی اجازت نہیں دیتا تو اس کو اسلام کا بایاں ہاتھ سمجھنا اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ نہیں یہ تو اسلام کا نہیں، بلکہ جمہوریت کا دایاں ہاتھ اور بایاں ہاتھ ہے تو سوال یہ ہے کہ دایاں اور بایاں پاکستانی جمہوریت کا؟ یا کسی دوسری جمہوریت کا؟

اسلم: عجیب بات ہے! آپ بات پاکستان میں موجود پارٹیوں کی کرتے ہیں اور پھر پوچھتے ہو کہ پاکستانی جمہوریت یا کسی دوسرے ملک کی جمہوریت؟ بالکل پاکستانی جمہوریت کا دایاں اور بایاں مراد ہے۔

خالد: تو جب دائیں اور بائیں سے اسلام منکر ہے تو کیا دائیں اور بائیں دونوں کو جواز فراہم کرنے والی جمہوریت، اسلامی ہو سکتی ہے؟

اسلم: نہیں بھائی!

خالد: تو پھر کیا دائیں بائیں کو جواز فراہم کرنے والی جمہوریت فقط اس جملے سے اسلامی ہو سکتی ہے کہ حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے؟

اسلم: نہیں بھائی! توبہ، کیسے اسلامی ہو سکتی ہے؟!

خالد: میرے پیارے دوست! اس بات کو سمجھیں، یہ فقط ایک دھوکہ ہے، جس میں حاکمیت اعلیٰ کو اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ سب اختیارات ان لوگوں نے اپنے پاس رکھے ہیں۔

اسلم: بھائی! آپ نے تو میری بہت اصلاح کی اور میں ہمیشہ کے لئے آپ کا احسان مند رہوں گا، لیکن بات یہ ہے کہ اگر مزید یہ مکالمہ ہم تھوڑی دیر جاری رکھیں تاکہ میرے ذہن میں جو شکوک و شبہات ہیں آپ ان کو دور کر سکیں تو یہ بہت اچھا ہو گا، یقیناً یہ آپ کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔

خالد: ٹھیک ہے بھائی! یہ آپ کا مجھ پر حق ہے، کیونکہ حدیث میں ہے: "الدين النصيحة" قالوا: لمن؟ قال: "للّٰه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم"۔

ترجمہ: دین خیر خواہی ہے، صحابہ نے پوچھا کس کی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ، اس کے رسول، مسلمانوں کے امراء اور عام مسلمانوں کی۔ (صحیح مسلم حدیث: 95)

تو میں لازماً آپ کی خیر چاہوں گا اور آپ کے لئے وہ سب کچھ پسند کروں گا جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں اور میں اپنے لئے یہ پسند کرتا ہوں کہ دنیا میں میں صراط مستقیم پر رہوں اور حق کا تابع اور آخرت میں میرا ٹھکانہ جنت ہو، تو یہ میرے اوپر لازم ہے کہ آپ کے لئے بھی یہی سب کچھ پسند کروں۔

اللہم أرنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه، وأرنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه.

اسلم: ٹھیک ہے، جزاک اللّٰه خیرًا۔ آپ سے میری یہی توقع ہے۔

خالد: میں اب آپ سے ایک سوال پوچھتا ہوں کہ حاکمیت اعلیٰ کا مطلب کیا ہے؟

اسلم: حاکمیت اعلیٰ کا مطلب یہ ہے کہ جس کے لیے یہ حاکمیت ثابت ہو تو اس کے امر (حکم) کے اوپر کسی کا امر نہیں چلے گا اور اس کا حکم آتے ہی سب سرِ تسلیم خم ہوں گے اور کسی میں انکار یا نہ ماننے کی جرأت نہیں ہو گی۔

خالد: اب کیا پاکستانی آئین میں اس طرح ہے؟

اسلم: سابقہ مثالوں سے تو پتہ یہ چلتا ہے کہ ایسا قطعاً نہیں ہے۔

خالد: سابقہ مثالوں کو اپنے پاس محفوظ رکھیں، کچھ اور باتیں درکار ہیں۔

اسلم: بتائیں، جزاک اللّٰه خیرًا.

خالد: اگر میں یہ کہوں کہ پاکستانی آئین ہی کی رُو سے آئینِ پاکستان میں حاکمیت اعلیٰ صرف تبرک کے لئے لکھا گیا ہے اور اس سے وہ اپنے آپ، اپنی پارلیمنٹ اور اپنے ارکان کو کفر کے فتویٰ سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں، تو کیا یہ بات آپ کو منظور ہے؟

اسلم: اگر دلیل سے ثابت کریں تو بسر و چشم!

خالد: نعوذ باللہ، نقلِ کفر کفر نباشد، اگر میں یہ کہوں کہ ان کے نزدیک اور اسی آئین کی رُو سے حاکمیت اعلیٰ ایک ایسا بے اختیار عہدہ ہے جو نہ کسی کو جیل سے نکال سکتا ہے اور نہ بھجوا سکتا ہے، بلکہ وہ اسمبلی کے اراکین کا محتاج ہے، تو کم از کم یہ بات بے جا نہ ہو گی۔

اسلم: وہ کیسے؟

خالد: وہ ایسے کہ اگر کسی شرعی حکم کو ملک کا قانون بنانا ہو تو اس کے لئے کونسا طریقہ اختیار کیا جائے گا؟

اسلم: اسمبلی کے اراکین اسے ملک کا قانون بنائیں گے۔

خالد: وہ کیسے؟

اسلم: آپ خود ہی بیان کریں، کیونکہ یا تو میں آپ کا سوال سمجھ نہ سکا، یا مجھے جواب کے بارے میں علم نہیں ہے۔

خالد: وہ(شرعی حکم)اسمبلی کے اراکین کی منظوری کے بغیر قانون نہیں بن سکتا، بلکہ اسمبلی کے اراکین اگراس کو منظور کریں تو قانون بنے گا ورنہ نہیں، یعنی اگرچہ اللہ تعالیٰ حاکم اعلیٰ تو ہے لیکن اگراس کے احکامات کو قانون کا درجہ دینا اراکینِ اسمبلی کی منظوری پر موقوف ہے، حالانکہ حاکمیتِ اعلیٰ کا عہدہ رکھنے کا تقاضا یہ ہے کی اس کے تمام احکامات بلاچوں وچرا قانون ہونے چاہئیں، لیکن مندرجہ بالا عہدہ رکھنے کے باوجود ان کے زعم اور ان کے اس کالے دستور کے مطابق (نعوذ باللہ، نقلِ کفر کفر نباشد)وہ خلاقِ عالم اور مختارِ کل ذات ان کے سامنے مجبور اور عاجز ہے اور اپنے احکامات کو قانون بنانے کے سلسلے میں اس کی نظریں پارلیمنٹ کی طرف ہیں، وہ ارکانِ پارلیمنٹ سے درخواست کرے گا، جب تک اراکینِ پارلیمنٹ منظوری نہ دیں اس کا قانون اس وقت تک موقوف رہے گا،اور درخواست کے بعد اس کے بارے میں دو قسم (پاس وفیل) کے نتائج آسکتے ہیں (جو کسی بھی بِل پر آسکتے ہیں) پس اگراللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کو منظور کیا جائے تو ٹھیک ہے اور اگر نامنظور کیا جائے تو اللہ اور اس کے رسول کی بات کی حیثیت وہی ہو گی جو کسی شخص کی قانونی تجویز کی ہو سکتی ہے۔

اسلم: یہ تو بہت ہی خطرناک بات ہے اور میرے خیال میں ایمان کے خاتمے کی ایک انتہائی صورت ہے۔اس اعتبار سے تو اللہ تعالیٰ کے لئے حاکمیتِ اعلیٰ ثابت نہیں۔ نعوذ باللہ، ایک مشیر کی حیثیت صرف ثابت ہو سکتی ہے،آمر کی حیثیت یہ قطعاً نہیں ہے، لیکن آپ اگر اپنی بات آئینِ پاکستان کی دفعات سے ثابت کردیں تو میں شکر گزار رہوں گا۔

خالد: ٹھیک ہے، آپ کو پتہ ہے کہ آئین کا ایک باب ہے،اس کو قانون سازی کا پروسیجر (طریقۂ کار) کہا جاتا ہے ؟

اسلم: ہاں بالکل !آرٹیکل 70 سے لے کر آرٹیکل 77 تک پر اس باب کا اطلاق ہوتا ہے۔

خالد: اب میں آپ کے سامنے آرٹیکل 70 کی عبارت کا اردو ترجمہ نقل کرتا ہوں: وفاقی قانون سازی کی فہرست یا مشترکہ قانون سازی کی فہرست میں کسی بل کی ابتداء کسی بھی ایوان میں ہو سکے گی اور اگر اسے وہ ایوان منظور کرے جس میں اس کی ابتداء ہوئی تھی، تو اسے دوسرے ایوان میں بھیج دیا جائے گا ؛اور اگر دوسرا ایوان بھی اسے ترمیم کے بغیر منظور کرلے، تو اسے منظوری کے لئے صدر کو پیش کردیا جائے گا۔(ترجمہ محمود سلیم سیکرٹری قومی اسمبلی پاکستان)

اب آپ یہ عبارت یاد رکھیں۔

اسلم: ٹھیک ہے، یہ عبارت میں نے یاد کرلی،آگے کیا ہے ؟

خالد: آپ نے کبھی سنا ہے کہ پاکستان کی قومی اسمبلی میں شریعت بل پیش کیا گیا ہے ؟

اسلم: جی ہاں ! میری عمر کم ہے، لیکن مجھے معلوم ہے کہ پاکستان میں تین دفعہ یہ بل پیش کیا گیا ہے اور آخری مرتبہ ''حسبہ بل'' کے نام سے تو مجھے بالکل یاد ہے۔

خالد: کسی بھی شرعی حکم کو ملک کا قانون بنانے کے لئے اسی بل کو کسی بھی ایوان (بالا،زیرین) میں پیش کیا جاتا ہے۔

اسلم: ٹھیک ہے۔

خالد: لیکن آپ کو کو پتہ ہے کہ یہ بل کس چیز کے لئے پیش کیا جاتا ہے ؟

اسلم: جو بھی بل ہو (شریعت ہو یا دوسرا) وہ اسمبلی میں، اس لئے پیش کیا جاتا ہے تاکہ اراکینِ اسمبلی اس بل کو منظور کریں۔

خالد: کیا شریعت کے بارے میں اس طرح بل پیش کیا جاتا ہے؟

اسلم: بالکل! چونکہ دفعہ 70 میں اس طرح مذکور ہے کہ ''کسی بل''، یعنی جو بھی بل ہو۔ اور ہمارے سامنے ہے کہ ''حسبہ بل'' اسی طرح منظوری کے لئے پیش کیا گیا تھا۔

خالد: کیا اللہ تعالیٰ کے قانون کو منظوری کے لئے پیش کرنا ایک عظیم جرم نہیں؟ حالانکہ آئینِ پاکستان کی پیشانی پر اللہ تعالی کی طرف حاکم اعلیٰ کی نسبت موجود ہے، آیا حاکم اعلیٰ کا حکم، قانون اور امر بغیر کسی منظوری کے قانون نہیں ہوگا یا وہ بھی حاکم اعلیٰ کا عہدہ لئے ہوئے اپنے قانون کو قانون کا درجہ دینے کے لئے ان اراکین کا محتاج ہوگا اور جب وہ منظوری دیں تو قانون بنے گا اور اگر نہ دیں تو ایک عام قانونی تجویز کی طرح نامنظور ہوگا۔ کیا یہ حاکمیت اعلیٰ کے عہدے کا مذاق نہیں ہے؟

اسلم: کیوں نہیں!

خالد: کیا چودہ سو سال پہلے نازل شدہ قانون کا فقط نزول اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ یہ ایک منظور شدہ قانون ہے؟

اسلم: کیوں نہیں، یہ تو ہمارا ایمان ہے۔

خالد: تو پھر اس قانون کو کسی انسان کے سامنے رکھنا اور اس کو یہ کہنا کہ اگر آپ چاہیں تو اس کو قانون کا درجہ دیں اور اگر نہ چاہیں تو نہ دیں۔ کیا یہ اللہ کے قانون کا استخفاف اور اس کو بہت ہلکا سمجھنا نہیں ہے؟

اسلم: بالکل ہے۔

خالد: آپ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ یاد ہوگا کہ انہوں نے ایک شخص کی گردن کو کیوں اڑایا تھا؟

اسلم: جی ہاں! اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے بعد معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا تھا۔

خالد: کیا اس میں اس بات کا امکان نہیں تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو نافذ کرتے اور اس شخص کو کہتے کہ بس اس فیصلے پر راضی ہو جاؤ، میرا فیصلہ بھی یہی ہے؟

اسلم: جی ہاں! ممکن تھا۔

خالد: تو پھر جناب عمر رضی اللہ عنہ نے کیوں اس کو قتل کیا؟

اسلم: اس لئے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لا کر پیش کیا، تاکہ وہ اس کے لئے کوئی گنجائش نکالیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو منظوری، نامنظوری یا ترمیم کے لئے پیش کرنا اور اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خود مختار ماننے کو اس شخص کا کفر اور ایک عظیم جرم قرار دیا جس کی سزا تلوار ہی تھی۔

خالد: میرے بھائی! اب کوئی شخص شریعت کے کسی حکم کو کسی انسان کے سامنے منظوری کے لئے رکھتا ہے اور اس کو یہ اختیار دیتا ہے، ایسے شخص کے لئے مناسبِ حال معاملہ کیا ہے؟

اسلم: عمری تلوار۔

خالد: اب دوسرا جرم دیکھیں کہ کس قدر مساوات انہوں نے حاکم اعلیٰ کے قانون اور ایک عام شخص کے قانونی تجویز کے درمیان قائم کر رکھی ہے، اس بل کو پیش کرنے والے کے لئے کون کونسی شرائط ضروری ہیں کہ وہ ان شرائط سے متصف ہو کر بل پیش کر سکتا ہے؟

اسلم: کم از کم کسی ایوان کا منتخب رکن ہو۔

خالد: یعنی ہمارے گاؤں کے کسی غریب شخص کے لئے جو کسی ایوان کا رکن نہ ہو یہ جائز نہیں ہے کہ وہ شریعت بل بنا کر پارلیمنٹ میں پیش کرے؟

اسلم: نہیں بھائی! اس کے لئے لازماً کسی ایوان کے منتخب نمائندے کی سفارش ضروری ہے۔

خالد: اور اللہ کے ماسوا کسی دوسرے قانون کے لئے بھی اس طرح ہونا پڑے گا؟

اسلم: بالکل! کسی بھی بل کو پیش کرنے کے لئے یہ شرط (رکنیت ایوان) ضروری ہے۔

خالد: اس شرط سے تو ایسا لگتا ہے کہ اس کے سامنے اللہ کے قانون کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اگر اس کی کوئی حیثیت بنتی ہے (کہ وہ ایوان کے اندر موضوعِ بحث بن جائے) تو رکن ایوان کی سفارش پر بنے گی اور اگر وہ سفارش کرے تو پھر موضوع بحث بنے گا اور اگر کوئی عام شخص اس کو لے جائے تو شریعت بل ہونے کے باوجود اُس کو ایوان میں داخلے کی اجازت نہ ہو گی۔

اسلم: بالکل اسی طرح ہے۔

خالد: تو پھر حاکم اعلیٰ اور ایک عام قانون دان کے درمیان کوئی فرق رہ گیا؟

اسلم: نہیں بھائی! فرق تو انہوں نے مٹا دیا۔

خالد: اب آپ سوچیں! کہ حقوقِ نسواں کے نام پر فحاشی وعریانی اور کفر والحاد پر مبنی ایک بل اور شریعت بل کے درمیان انہوں نے کوئی فرق کیا؟

اسلم: نہیں۔

خالد: کیا یہ لوگ اِس آیت کے مصداق نہیں ہیں: ﴿ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ﴾ (الانعام:1)

ترجمہ: پھر وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں اپنے رب کے ساتھ برابری کرتے ہیں۔

انہوں نے دونوں بلوں (شریعت بل جو اللہ کا قانون ہے اور حقوق نسواں بل جو اللہ تعالیٰ سے بغاوت پر مبنی تجویزات کا مجموعہ ہے) کو مساوی حقوق دیئے، دونوں کے لئے رکنِ ایوان کی سفارش اور دونوں کا قانون بننے کے لئے ارکانِ ایوان کی منظوری شرط قرار دی، آیا یہ لوگ مذکورہ آیت کے مصداق نہیں؟

اسلم: بالکل اس آیت کے مصداق ہیں۔

خالد: پھر غور کریں کہ جب اسلامی حکم کے کسی بل کو کسی ایوان میں کوئی عام شخص نہیں لے جا سکتا یعنی اسلامی حکم میں اتنا زور، طاقت اور ایوان میں اس کی اتنی حیثیت بھی نہیں ہے کہ وہ کسی عام مسلمان کو ایوان میں داخل کرے اور بل اس کو یہ سعادت بخش دے کہ وہ اراکین ایوان (جو کہ اُلوہیت کے عہدوں پر براجمان ہیں) سے اس موضوع پر بات چیت کر سکے، بلکہ ایوان کے کسی رکن کی یہ حیثیت

ہو گی کہ وہ نعوذ باللہ بیچاری شریعت کے لئے دوسرے اراکین کے آگے سفارش کرے گا، تاکہ وہ اس کی طرف التفات کریں اور شریعت کو اتنی حیثیت دیں کہ اس کو ایوان کا موضوعِ بحث بنائیں۔

بالفاظِ دیگر: ایوان اتنا متکبر ادارہ ہے گویا کہ اس کو عرش معلی کی حیثیت دی گئی ہے کہ کسی رکن کی سفارش کے بغیر شریعتِ الٰہیہ ایوان کا موضوعِ بحث بننا بھی ممکن نہیں ہے۔

اسلم: اسی طرح تو ہے، لیکن آج تک ہم نے ان کے اس کفری حیلے کو اتنے غور و توجہ سے نہیں سوچا تھا!

خالد: جی ہاں! یہ تو ابو جہل کے دور کا سادہ کفر نہیں ہے، یہ تو ماڈرن اور جدید کفر ہے، آسان نہیں اس کا راز معلوم کرنا، اقبال کہتے ہیں:

اس راز کو ایک مرد فرنگی نے کیا فاش ہر چند کے دانا اسے کھولا نہیں کرتے
جمہوریت ایک ایسی طرزِ حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

اسلم: عجیب! اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ اقبال بھی اس گندے نظام سے متنفر تھے اور اس کو اسلامی نہیں سمجھتے تھے، یہ ظالم لوگ تو اقبال کے بہت حوالے دیتے ہیں، لیکن یہ شعر میں نے کبھی ان سے نہیں سنا۔

خالد: اس میں تو ان کا نقصان ہے، اس کے علاوہ ان کے اور بہت سے اشعار فارسی اور اردو میں موجود ہیں، لیکن ہم اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں۔ کیا آپ نے معاشرے میں دیکھا ہے کہ جو بندہ کسی کی سفارش کرتا ہے وہ اس بندے سے اسی میدان میں بڑا سمجھا جاتا ہے جس کو سفارش کرتا ہے، یا وہ کم از کم اس شخص سے جس کی سفارش کرتا ہے اس بندے کو قریب ہوتا ہے جس کو سفارش کرتا ہے؟

اسلم: سفارش کرنے میں تو یہ پوری دنیا کا قانون اور مسلّمہ اصول ہے۔

خالد: اب کیا بل کو بحث کرنے کے لئے پیش کرنا سفارش ہے یا امر ہے؟

اسلم: سفارش ہے، اس لئے کہ اگر امر ہوتا تو منظوری کے لئے پیش کرنے کی پھر کیا ضرورت تھی، پھر تو وہ بس امر کرتا کہ یہ ملک کا قانون ہے اسے نافذ کر دو، اور پھر یہ بھی وجہ ہے کہ پیش کرنے کے بعد اس میں امکان خاص ہے کہ پاس ہو جائے یا فیل، یعنی سلب ضرورت من الجانبَین ہے، یہ بھی ضروری نہیں کہ پاس ہو جائے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ فیل ہو جائے، اور امر میں اس طرح نہیں ہوتا ہے، اُسے تو لازماً پورا کرنا پڑتا ہے۔

خالد: یہ تو ہم نے ویسے معلوم کیا کہ کسی بھی شرعی حکم کے لئے تحریک چلانے کے لئے رکنِ ایوان کی سفارش ضروری ہے، لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل کے لئے انہوں نے سفارش کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ملاحظہ ہو؛ یہ کونسل وفاقی اور صوبائی اسمبلیوں کے سامنے سفارشات پیش کرے گی، جن میں ایسے ذرائع اور وسائل پیش کیے جائیں گے جو پاکستانی مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی اسلام کے اساسی اصولوں اور بنیادی تصورات کے مطابق مرتب کرنے کے قابل بنا سکیں۔

اسلم: جی ہاں! انہوں نے بھی سفارش کا لفظ استعمال کیا ہے۔

خالد: اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا نتیجہ نکلا کہ شریعت ان کے دستور میں (نعوذ باللہ) اتنی پست اور ذلیل ہے کہ اس کے لئے سفارش بھی ہر کسی کی نہیں چلتی، بلکہ سفارش کے لئے کسی بڑے عہدیدار (رُکنِ ایوان) کی ضرورت ہے، کیا ایسا نہیں ہے؟

اسلم: اللہ ان کو ہلاک کرے، بالکل ایسا ہی ہے۔

خالد: اب آپ کا کیا خیال ہے، کوئی اپنے آپ کو اللہ کے قانون سے بہتر سمجھتا ہے اور اللہ کے قانون کی جانب التفات تک کرنے کے لئے ان کو اتنی بڑی سفارشات کی ضرورت ہوتی ہے تو کیا اسلام یہی ہے؟ اور کیا یہ لوگ مسلمان ہیں؟

اسلم: میں تو وہ کہوں گا جو میرا پروردگار فرماتے ہیں: ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا﴾ (النساء:151)

خالد: یہ کہنا کہ "ایوان کے ارکان اپنے آپ کو اللہ کے احکامات سے بڑا سمجھتے ہیں" یہ بات ان پر بہتان تو نہیں؟

اسلم: یہ تو ایک عام دیہاتی بھی جانتا ہے، وہ بھی سفارش کے اصول سے واقف ہوتا ہے۔

خالد: یہی وجہ ہے کہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "آپ کے مسائل اور ان کا حل" میں ایک عنوان باندھا ہے: "جمہوریت اس دور کا صنم اکبر ہے" اس کے تحت پارلیمنٹ کے ایک رکن کا یہ اخباری بیان نقل کیا ہے، لدھیانوی شہید رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> ابھی گزشتہ دنوں پاکستان کے ایک بڑے مفکر کا مضمون اخبار میں شائع ہوا تھا کہ شریعت کو پارلیمنٹ سے بالاتر قرار دینا قوم کے نمائندوں کی توہین ہے، کیونکہ قوم نے اپنے نمائندوں کو قانون سازی کا مکمل اختیار دیا ہے۔

اگرچہ حقیقت میں سب کی یہی حالت ہے، لیکن اس بدبخت نے صراحتاً یہ بات کہی ہے اور دوسرے زبانِ حال سے کہتے ہیں اور اگر آپ چاہتے ہیں تو یہ کہئے کہ وہ لوگ کنایہ کرتے ہیں اور الصريح أشفیٰ للصدر ہے اور الكناية أبلغ من الصريح ہے۔

اس کافر نے زبان سے یہ بات کہی اور باقی سب کا عمل اس بات کی تصدیق کرتا ہے (جیسا کہ ہم نے ذکر کیا) کیا اب بھی آپ کہیں گے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو حاکمیت اعلیٰ دی ہے؟! کیا حاکمیت اعلیٰ کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے کسی حکم کو منوانے کے لئے ان لوگوں کو منت سماجت کرنے کا محتاج ہو؟! اور اس کے لئے کسی سفارشی کو ڈھونڈتا پھرے؟!

اسلم: "حاکمیتِ اعلیٰ" تو چھوڑیئے، اس پروسیجر کی رُو سے تو صرف حاکمیت بھی ثابت نہیں کی جاسکتی، بلکہ ان ظالموں نے اللہ تعالیٰ کو ایک عام قانون دان کا حق دیا ہے کہ جس طرح ایک عام قانون دان کی قانونی تجویز، بل کی شکل میں پیش کی جاسکتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا بل بھی، اور جس طرح اس (عام قانون دان) کے بل میں امکان ہے کہ پاس یا فیل ہو جائے، اسی طرح امکان اللہ تعالیٰ کے حکم کے بارے میں بھی ہے۔

خالد: اور آگے بڑھتے ہیں، ایک عجیب بات! دو کفر کیے گئے، ایک تو اللہ کے قانون کو منظوری یا نامنظوری کے لئے پیش کیا گیا، دوسرا یہ ہے کہ ہر کوئی اس کو پیش بھی نہیں کر سکتا، بلکہ ان کی نظر میں شریعت اتنی کمزور اور پست ہے اور ایوان تو ایک اہم ترین اور عظیم ترین ادارہ ہے، اس لئے "شریعت بل" کو یہاں تک پہنچانے کے لئے اور ارکان ایوان کی توجہ حاصل ہونے کے لئے کسی بڑے سفارشی کی ضرورت ہے، اور وہ ہے رُکنِ ایوان، اس لئے کسی عام غریب بندے کا یہ کام نہیں کہ وہ کسی الٰہی حکم کا بل بنا کر اس کو ایوان میں لے جائے اور پھر چونکہ شریعت تو ان کے نزدیک بہت ہی (نعوذ باللہ، نقلِ کفر کفر نباشد) گھٹیا ہے اور سفارش کے اصول بھی یہی ہے کہ کسی کی سفارش قبول اور رَدّ دونوں باتیں ہو سکتی ہیں، اس لئے صرف بحث ہی کے لئے منظور کیا جائے گا، (یعنی یہ سفارش اس لئے نہیں ہوتی کہ یہ بل حکم بن جائے گا، بلکہ اس کی منظوری بحث کے واسطے ہوئی) بحث سے کیا مراد ہے؟ اس سے مراد یہ ہے کہ اراکینِ ایوان اس بل کو (الٰہی احکام

سے بالاتر ہو کر) اپنی عقلوں پر تولتے ہیں، بین الاقوامی معیار اور موجودہ تقاضوں پر تولا جاتا ہے، عالمی برادری کو خوش رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کے چارٹر کے ساتھ موازنہ کیا جاتا ہے۔

اسلم: بس بھائی! اس کفر میں کون شک کرے گا۔

خالد: اب شریعت بہت غریب ہے، لیکن آپ کے خیال میں اتنے بڑے سفارشی کے بعد وہ کم از کم بحث کے لئے منظور کی جائے گی اور اراکین اپنا کچھ وقت ضائع سمجھ کر اس کو دیں گے، تاکہ اس سے غلطیاں نکال کر پاک وصاف کیا جائے۔ (نعوذ باللہ)

اسلم: میرا خیال تو یہی ہے کہ اب تو سفارشی بھی بڑا آیا اور اتنی گستاخی سے تو آگے نہیں جائیں گے۔

خالد: نہیں بھائی! اب تو آگے جانا ہے، آئین کی رُو سے اب دیکھا جائے گا کہ یہ کہیں آئین کے ضابطۂ کار سے مخالف تو نہیں ہے؟ اگر ہے تو پھر یہ بل کے درجے تک بھی نہیں پہنچ پائے گا اور آپ کو کیا پتہ ہے کہ بل کے درجے کو پہنچنا کیا ہوتا ہے؟ بل کے درجے کو پہنچنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اس قابل ہے کہ ارکانِ ایوان اس کو منظور یا نامنظور، بلکہ بحث کے لئے منظور کریں۔

اسلم: نہیں بھائی! شرعی حکم کے بارے میں یہ بات نہ ہو گی کہ آئین کے طریقۂ کار کے خلاف نہ ہو، بلکہ آئینی طریقۂ کار کے خلاف نہ ہونا دیگر قوانین کے بارے میں ہو گا؟

خالد: ارے میرے سیدھے سادھے دوست! جب بے نظیر بھٹو وزیرِ اعظم تھی اُس وقت ایک شخص نے عورت کی سربراہی کے خلاف تحریک چلانا چاہی، تو اسے کیا جواب ملا؟ آپ کو معلوم ہے؟

اسلم: نہیں۔

خالد: اس کو یہ جواب ملا کہ خاموش رہو، اپنی زبان بند رکھو، یہ آئین کے خلاف ہے۔ اب کیا میرے دوست! عورت کی سربراہی کے خلاف تحریک چلانا اور بل پیش کرنا شرعی حکم نہیں ہے؟ اور کیا عورت کی سربراہی ازرُوئے شرع ممنوع نہیں؟

اسلم: بالکل ممنوع ہے، اور یہ ممنوعیت ایک شرعی حکم ہے۔

خالد: تو دیکھئے بھائی! انہوں نے اسی طرح کیا ناں کہ اس (شرعی حکم) کو آئین کے ضابطۂ کار کے خلاف قرار دیا۔ یہ ہے جو میں آپ کو کہتا ہوں کہ شریعت بل بھی اگر آئین کے ضابطۂ کار کے خلاف ہے تو وہ صرف بحث تک کے لئے بھی منظور نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ اراکین یہ بات گوارا نہیں کرتے کہ آئین کے خلاف کاموں میں اپنا وقت ضائع کریں۔

اسلم: اب آگے بتائیں کیا ہو گا؟

خالد: اب جب شریعت بل کو سفارشی بھی مل گیا، اور خوش قسمتی سے وہ دستور کے ضابطۂ کار کے مطابق بھی نکلا، تو اب ان کو بھی رحم آیا کہ اب تو کم از کم اگر پاس نہیں کرنا ہے تو اس کو ارکانِ ایوان کی بحث کے لئے منظور کیا جائے۔

اسلم: بھائی! یہ بتائیں کہ یہ بحث کس چیز کی ہوتی ہے؟

خالد: یہ بحث اس بات کی ہوتی ہے کہ کیا یہ (حکمِ الٰہی) اراکینِ ایوان کی نظروں میں اس قابل ہے کہ اس کو واجب العمل قانون کا درجہ دیا جائے یا نہیں؟ اسی طرح ایوان کی دو تہائی اکثریت اسے قانون کا درجہ دینے پر رضامند ہیں کہ نہیں؟

اسلم: نعوذ باللہ، اللہ کی وہ شریعت جسے اللہ نے قانون بنا کر نازل کیا، اس کے بارے میں اب یہ بحث ہو گی کہ آیا وہ ملک کا واجب العمل قانون بننے کی مستحق ہے یا نہیں؟

خالد: جی ہاں! افسوس تو اس پر ہے کہ **اسلامی** جمہوریت میں اللہ کے قانون کے ساتھ یہ سب کچھ ہوتا ہے۔

اسلم: تو پھر؟

خالد: تو پھر میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ کی ایمانی غیرت یہ تسلیم کرتی ہے؟

اسلم: میری ایمانی غیرت کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان کی گردنیں اڑا دوں۔

خالد: اب مجھے یہ بتائیں کہ آپ کی ایمانی غیرت یہ برداشت کرے گی کہ آپ کے سامنے کوئی شخص آپ کے مولیٰ کے حکم میں کیڑے نکالے؟ اور بالخصوص جب ان میں کفار بھی ہوں (جو اللہ اور رسول اللہ کے دشمن ہیں) وہ بھی اس میں بولتے ہیں اور آپ کے سامنے اس بات پر بحث ہو رہی ہے کہ آج کل کے اس جدید دور میں آپ کے رب کا قانون ہمارے ملک کے قانون بننے کا قابل ہے یا نہیں ہے؟

اسلم: سبحان اللہ! یہ ہے طعن فی الدین اور یہ ہیں ائمۃ الکفر، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ﴾

ترجمہ: اور اگر عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین میں طعن کرنے لگیں تو ان کفر کے پیشواؤں سے جنگ کرو۔ (التوبۃ:12)

خالد: اب یہ ہے ارکانِ ایوان کی غیرت اور یہ ہے ان کا حال۔ شریعت بل کی منظوری کے لئے جب اس پر بحث ہوتی ہے تو بحث کا موضوع بھی یہ ہوتا ہے کہ کیا اللہ (جسے آئین میں حاکمیتِ اعلیٰ حاصل ہے، اس) کا حکم قانون بننے کے قابل ہے؟ اور پھر بحث کے دوران کسی پر بھی پابندی نہیں ہوتی ہے کہ وہ اس کے متعلق جیسی زبان استعمال کرنا چاہیں کر سکتے ہیں، اسی طرح نکتہ چینی کرنے والا رُکنِ ایوان مسلمان کہلانے والا ہو یا ہندو، عیسائی، قادیانی یا شیعہ رافضی ہو۔

اسلم: استغفر اللہ!

خالد: اور کیا آپ کو یہ معلوم نہیں کہ ان میں سے بعض کے بارے میں تو بالکل مشہور ہے کہ شریعت بل کو پھاڑ کر پاؤں تلے روندا؟

اسلم: ہاں! یہ معلومات تو ہیں۔

خالد: کیا ان کو کسی عدالت میں بلایا گیا؟ ان کو کوئی سزا دی گئی؟ اور ستم بالائے ستم یہ کہ وہ آج تک ملکی آئین کی رُو سے مسلمان سمجھے جاتے ہیں۔

اسلم: بالکل! اسی آئین کی رو سے ان کو تحفظ حاصل ہے اور اسی آئین کی رو سے وہ مسلمان سمجھے جاتے ہیں، یقیناً یہ کفری آئین ہے جو ہیومن رائٹس اور بنیادی حقوق (جیسے آزادی فکر و مذہب اور اظہارِ خیال وغیرہ) پر مشتمل ہے۔

خالد: ایوان کے اندر ہونے والی بات چھوڑیں، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ توہینِ رسالت ایکٹ کے بارے میں روزانہ جب کر سچن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے اس دفعہ کے خاتمے کے بارے میں جلوس نکالتے ہیں اور حکومت سے یہ مطالبہ کرتے ہیں

کہ اس ایکٹ کو ختم کرو؟

اسلم: جی ہاں!

خالد: کیا اس بارے میں جلسے جلوس کرنا اور اس ایکٹ کے خاتمے کا مطالبہ کرنا طعن فی الدین نہیں؟

اسلم: کیوں نہیں۔

خالد: پھر کیوں ان لوگوں کو طعن فی الدین کی وجہ سے حکومت گرفتار کر کے کیفرِ کردار تک نہیں پہنچاتی؟ اور پھر ان دنوں تو این جی اوز کا لہجہ اس ایکٹ کے بارے میں بہت ناقابل سماعت ہے، آخر کیوں ان کو حکومت کچھ نہیں کہتی؟

اسلم: ممکن ہے رائے اور اجتماعات منعقد کرنے کی آزادی جمہوری دفعات کے تحت ان کو دی گئی ہو اور ان کو کچھ نہیں کہا جاتا؟

خالد: کیا قانونی طور پر یہ آزادی دینا کفر نہیں؟

اسلم: بالکل یہ تو اباحیت ہے جو کہ زندیقیت ہے۔

خالد: اب کیا آئین میں حاکم اعلیٰ کی نسبت اللہ کی طرف کرنے کا کوئی فائدہ نکلا؟

اسلم: بالکل نہیں۔

خالد: تو جب یہ نسبت صرف دھوکے کے واسطے کی گئی ہے تو کیا ان الفاظ سے پاکستان کا یہ اباحی آئین، اسلامی بن سکتا ہے؟ اور اس (آئین) سے یہ جمہوریت، اسلامی بن سکتی ہے؟

اسلم: نہ یہ آئین اس دفعہ سے اسلامی بنے گا اور نہ جمہوریت اسلامی بنے گی، بلکہ یہ الفاظ تو شیعوں کے تقیہ کی طرح ہیں، جس سے وہ اپنا کفر چھپاتے پھرتے ہیں۔

خالد: اب اس کے بعد شریعت بل پر مختلف کڑوے امتحانات باقی ہیں، جس کے لئے پہلے ایوان میں اس پر ووٹنگ ہو گی، ووٹنگ میں اگر اسے دو تہائی اکثریت حاصل ہو جائے تو ٹھیک ہے، ورنہ پھر یہ بل اپنی موت آپ مر جائے گا۔ پاس ہونے کی صورت میں پھر یہ دوسرے ایوان میں چلا جائیگا اور جو کچھ یہاں پر ہوا وہ وہاں بھی ہو گا۔ اگر انہوں نے بالفرض پاس کیا تو پھر توثیق کے لئے صدر کے پاس بھیجا جائیگا اور تم کو کیا پتہ ہے کہ توثیق کیا چیز ہے؟ یعنی کسی چیز پر اطمینان اور اعتماد کا اظہار کرنا، یعنی اگر بالفرض اس کی توثیق کرے تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ یہ اللہ کا حکم اور قانون ہے، بلکہ اس حیثیت سے کہ ارکانِ ایوان نے اس بل پر اعتماد اور رضا کا اظہار کیا ہے۔ اور اگر وہ اس کو فیل کرے (نعوذ باللہ) تو پھر پہلے ایوان میں منتقل ہو جائے گا اور وہاں سے ایک بار پھر صدر سے توثیق کے لئے درخواست کی جائے گی اور ان سے شریعت بل کی منظوری کی بھیک مانگیں گے، جس کے بعد صدر دونوں ایوانوں کا اجلاس بلائے گا اور دونوں ایوانوں کے اجلاس میں پھر شرعی حکم کی خامیوں کو (نعوذ باللہ) بے نقاب کیا جائے گا اور پھر وہاں سے اگر پاس ہو جائے تو صدر دستخطِ توثیق کرے گا۔

اگر آپ کو اس موضوع میں زیادہ تفصیلات چاہئیں تو حامد محمود کی کتاب ''کیا ووٹ ایک مقدس امانت ہے'' کا مطالعہ کیجئے۔

اسلم: نعوذ باللہ، یہ کیسا کفر ہے جو اللہ کی شریعت کو اتنا ہلکا سمجھتے ہیں، یہ تو ولید بن مغیرہ کی طرح ہیں، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ○ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ○ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ○ ثُمَّ نَظَرَ ○ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ○ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ○

﴿فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ○ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ○﴾

ترجمہ: اس نے فکر کیا اور تجویز کی۔ یہ مارا جائے اس نے کیسی تجویز کی۔ پھر یہ مارا جائے اس نے کیسی تجویز کی۔ پھر تامل کیا۔ پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑ لیا۔ پھر پشت پھیر کر چلا اور (قبولِ حق سے) غرور کیا۔ پھر کہنے لگا یہ تو جادو ہے جو (اگلوں سے) منتقل ہوتا آیا ہے۔ (پھر بولا) یہ (اللہ کا کلام نہیں بلکہ) بشر کا کلام ہے۔(المدثر:18تا25)

یہ ہے ان کا بل پیش کرنا، اس پر بحث کرنا اور پھر اس کو کلام الناس اور عام قانون دانوں کی تجاویز کے برابر سمجھ کر اس کو مسترد یا قبول کرنا۔ ان کی سزا ہے: ﴿سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ○ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ○ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ○ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ○﴾

ترجمہ: عنقریب میں اسے سقر میں داخل کروں گا، اور تم کیا سمجھے کہ سقر کیا ہے؟ وہ نہ باقی رکھے گی اور نہ چھوڑے گی۔ اور بدن کو جھلس کر سیاہ کردے گی۔(المدثر:26تا29)

اور یہ تو طلب العوج (کجی ڈھونڈنا) ہے جو کہ بنصِ قرآن کفر ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ﴾ (الاعراف:45)

ترجمہ: جو اللہ کی راہ سے روکتے اور اس میں کجی ڈھونڈتے ہیں اور آخرت سے انکار کرتے ہیں۔

خالد: اب یہاں صرف طلب العوج نہیں ہے، یہاں کفر کے چند اقسام ہیں:

1-استخفافِ دین: دین کو ہلکا سمجھنا، کسی شرعی حکم کو اتنا ہلکا سمجھنا کہ اس کی تقنین (یعنی قانون بنانا) ارکان ایوان کی منظوری پر موقوف ہو، اور ساتھ ساتھ پھر اس کے لئے ایک ایسے سفارشی کی ضرورت ہو جو ارکانِ ایوان میں سے ہو۔ مجمع الأنہر میں ہے: "ومن أهان الشريعة أو المسائل التي لا بد منها فقد كفر".

ترجمہ: اور جس نے شریعت کی توہین کی یا ان مسائل کی توہین کی جو ضروریاتِ دین میں سے ہیں تو بے شک وہ کافر ہو گیا۔(ج:2، ص:509)

آگے لکھتے ہیں: "ويكفر بجلوسه على مرتفع ويتشبه بالمذكّرين ومعه جماعة يسألونه ويضحكون منه، ثم يضربهم بالمخراق، وكذا يكفر الجمع لاستخفافهم بالشرع".

ترجمہ: اور کافر ہو جاتا ہے کسی اونچی جگہ پر بیٹھنے سے اور وہ تشبہ کرتا ہے مفتیوں سے اور اس کے ساتھ ایک جماعت ہے وہ اس سے پوچھتے ہیں اور ہنستے ہیں، پھر یہ ان کو بٹے ہوئے رومال وغیرہ سے مارتے ہیں اور اسی طرح وہ پورا مجمع شریعت کی استخفاف کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے۔(ج:2،ص:510)

اب کیا کسی شرعی حکم کو یہ کھیل بنانا کہ اس کو اراکین پارلیمنٹ منظور یا نامنظور کریں اور اس پر بحث کے دوران ہر کسی (مسلمان وکافر) کو اجازت ہو کہ وہ اسے تختۂ مشق بنائے۔

2-آئینِ پاکستان کو اللہ کے قانون پر ترجیح دینا: اس طرح کہ آئین پاکستان کی قانون سازی کا پروسیجر کا باب اور آرٹیکل 70 سے لے کر 77 تک اس پر حاوی ہے، بایں طور کہ دوسرے قوانین کی منظوری کی طرح وہ قانون اس پر بھی لاگو ہوگا اور پھر اس کے مطابق ان اراکین کو اجازت ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے قانون پر بھی جتنے اعتراضات کرنا چاہیں کر سکتے ہیں اور اس میں نقصانات نکال سکتے ہیں، لہذا

انہیں مکمل اجازت حاصل ہے اور اس دوران کسی بھی تقریر پر کوئی بھی فرد عدالت میں طلب نہیں کیا جائے گا۔اس کے بارے میں آپ کو امام آلوسی کا یہ قول یادر کھنا چاہئے:"نعم لا ينبغي التوقف في تكفير من يستحسن ما هو بيّن المخالفة للشرع منها ويقدمه على الأحكام الشرعية متنقصًا لها به".

ترجمہ: ہاں! ان لوگوں کی تکفیر میں توقف جائز نہیں جواُن اصول کو اچھا سمجھتے ہیں جو شریعت سے ظاہرًا مخالف ہیں اور اسے احکامِ شرعیہ پر ترجیح دیتے ہوں، درآں حالیکہ وہ اس کے ذریعے اس کی تنقیص کرنے والے ہوں۔

اور دوسری ترجیح ان کی یہ ہے کہ اگر اللہ کے حکم کا حامل بل آئین کی قانونی ضابطۂ کار کے خلاف ہے تو وہ ردّ کیا جائے گا، جیسا کہ میں نے آپ کے سامنے عورت کی سربراہی کے خلاف بل کا حال بیان کیا، کیا یہ اپنے وضعی قانون کو اللہ کے قانون پر ترجیح دینا نہیں ہے؟!

شیخ الحدیث مفتی محمد طاہر مسعود صاحب اپنی کتاب "عقیدہ اہل السنت والجماعت" (جو شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب کی پسند فرمودہ کتاب ہے) میں لکھتے ہیں:

جو شخص غیر شرعی قوانین کو اسلامی قوانین سے افضل سمجھتا ہے وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔اسی طرح وہ شخص جو اسلامی قوانین کے برخلاف قانون کا قائل ہے وہ بھی کافر ہے۔ مثلاً جو کہتا ہے کہ چور کی سزا صرف ایک ماہ قید ہے یا زانی کی سزا صرف دس کوڑے ہیں، یہ شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔(ص:61،62)

3-اللہ کے قانون کو دوسرے قوانین کے برابر سمجھنا: بایں طور کہ جس طرح ایک عام قانون دان کے قانونی تجویز پر بحث، ووٹنگ اور پھر منظوری اور نامنظوری دونوں قسم کے حالات آسکتے ہیں، اسی طرح اللہ کے قانون کے بارے میں بھی دونوں قسم کے حالات آسکتے ہیں۔اور اس بارے میں علامہ محمد بن ابراہیم کا وہ قول ملاحظہ ہو کہ کفرِ اعتقادی کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ اللہ کے قانون کو دوسرے قوانین کے مساوی سمجھے:"الثالث: أن لا يعتقد كونه أحسن من حكم الله ورسوله، لكن اعتقد أنه مثله، فهذا كالنوعَين الذَين قبله، في كونه كافرًا الكفر الناقل عن الملة لما يقتضيه ذلك من تسوية المخلوق بالخالق، والمناقضة والمعاندة لقوله عز وجل: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ (الشورى:11)

ترجمہ: تیسری قسم یہ ہے کہ وہ یہ عقیدہ نہ رکھے کہ یہ (غیر اللہ کا حکم) اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بہتر ہے، لیکن یہ عقیدہ رکھے کہ یہ (غیر اللہ کا حکم) اس (اللہ اور رسول اللہ کے حکم) جیسا ہے، تو یہ اس شخص کے کافر ہونے میں سابقہ دو اقسام کی طرح ہے، اور کفر بھی ایسا جو دین سے نکالنے والا ہو، اس لئے کہ یہ مخلوق اور خالق کے مساوی ہونے کا تقاضا کرتا ہے، اور یہ اللہ تعالی کے قول ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ کا مناقضہ اور معاندہ ہے۔(تحكيم القوانين)

اور اس بارے میں اللہ تعالی کا فرمان بھی ملاحظہ ہو:

﴿ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ﴾ (الأنعام: 1) اور ﴿إِذْ نُسَوِّيكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِينَ﴾ (الشعراء: 98)

4-حرام کو حلال کرنا: بایں طور کہ آئین جس طرح یہ کہتا ہے کہ ایوان کی دوتہائی اکثریت کے پاس کرنے سے شریعت بل پاس ہو سکتا ہے، اسی طرح یہ بھی کہتا ہے کہ اللہ کے قانون کے مقابلے میں کوئی دوسرا بل بھی پاس ہو سکتا ہے اور اس پر "تحفظ حقوق نسواں بل"

(جو کہ بہت سے غیر شرعی اُمور پر مشتمل ہے) شاہد ہے جسے دو تہائی اکثریت نے پاس کیا اور پھر اگرچہ شرعی کورٹ نے اس کو غیر شرعی قرار دیا، لیکن بی بی سی کو انٹرویو دیتے ہوئے مجھے شیری رحمن (جو کہ اس وقت وزیر اطلاعات تھی) کے الفاظ یاد ہیں کہ اس سے جب پوچھا گیا کہ فائنل رائے کس کی ہوگی؟ تو اس نے کہا: فائنل رائے تو پھر پارلیمنٹ کی ہوگی۔"والإنسان متىٰ حلَّل الحرامَ المجمعَ عليه أو حرَّم الحلالَ المجمعَ عليه كان كافرًا مرتدًا باتفاق الفقہاء".

ترجمہ: اور انسان جب اجماعی حلال کو حرام کرے یا اجماعی حرام کو حلال کرے تو وہ فقہاء کے اتفاق سے کافر و مرتد سمجھا جائے گا۔ (مجموع الفتاوی، ج:3، ص:267)

اور تحریم و تحلیل کا اختیار بے شمار جگہوں پر آئین نے پارلیمنٹ کو دیا ہے، جیسا کہ ایسے قوانین کے پاس کرنے کا اختیار جو شریعت کے ساتھ متصادم ہوں، شرعی احکامات کو فیل کرنے کا اختیار، شریعت بل کی منظوری اور نامنظوری کے لئے پیش کرنے کا اختیار، پارلیمنٹ میں تقریر کرتے وقت کسی بھی عدالت سے بالادستی، شریعت بل پر بحث کرنے کا اختیار، شریعت بل میں ترمیم کا اختیار جو سب کے سب حرام و کفر ہیں۔

5- اللہ کے دین پر ناراضگی اور رضا دونوں کا اختیار: حالانکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: ﴿اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَـكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ وَرَضِيۡتُ لَـكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِيۡنًا﴾

ترجمہ: آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند فرمایا۔ (المائدۃ:3)

اسلام تو اللہ کا منظور شدہ اور پسند فرمودہ دین ہے، اس کے بارے میں یہ اختیار کہاں سے آیا کہ بندہ خود مختار ہو، وہ چاہے تو اسے منظور یا نامنظور کرے، اس کے حق میں رائے دے کر اس کے نفاذ پر رضا کا اظہار کرے یا اس کے خلاف ووٹ دے کر ناراضگی کا اظہار کرے۔ (نعوذ بالله من ذلك)

6- ان سب کے باوجود اس کو اسلامی آئین کہنا کفر نہیں ہے تو اور کیا ہے؟! حالانکہ امام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
"ومن حكم بغير ما أنزل اللّٰه مخبرا أنه ما أنزل الله فقد كفر".

ترجمہ: اور جس نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے بغیر حکم کیا اور حال یہ ہے کہ وہ اس کو اللہ کا حکم ظاہر کرتا ہے تو تحقیق وہ کافر ہو گیا۔ (ج:4، ص:93)

اور یہ اتفاقی مسئلہ ہے کہ غیر اسلام کو اسلام کہنا الحاد ہے، بلکہ امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اگر کوئی ہمارے زمانے کے سلاطین کو عادل کہے تو وہ کافر ہوگا، اس لئے کہ وہ عادل نہیں ہیں۔ یہ تو سلاطین کی بات ہے جن میں دونوں احتمال ہو سکتے ہیں، لیکن اگر کوئی ایسے قانون کو اسلامی کہے جو کفری ہو تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ اور اگر کوئی ان کچہریوں کو عدل وانصاف کے مراکز کہے جہاں پر کفری قوانین پر فیصلے ہوتے ہیں تو اس کا کیا حال ہوگا؟ جبکہ آج کل تو ہم ان مراکز پر دیکھتے ہیں کہ عدل وانصاف سے متعلق آیات بھی دیواروں پر نوشتہ ہوتی ہیں، اگر غیر عادل کو عادل کہنا کفر ہے تو غیر اسلامی کو اسلامی کہنا کیسا ہوگا؟

7- یہ پورا عمل تدرج فی التشریع (مختلف درجات سے گزر کر شریعت کا قانون بننا) ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور کسی کا کام

نہیں، بلکہ اگر کوئی اس اختیار کا دعویٰ کرے تو وہ **مشرک فی الحکم** سمجھا جائے گا۔

اور ان تمام اُمور کی اجازت آئینی نہیں ہے تو اور کیا ہے ؟ اب آپ بتائیں کیا یہ سب کفر نہیں ؟

اسلم: یہ تو بالکل ہے، بلکہ یہ کام تو جس طرح نقلاً غلط ہے اسی طرح عقلاً بھی باطل ہے، کیونکہ اللہ کا کوئی حکم جب آسمان سے نازل ہوا ہے تو وہ قانون بن کر نازل ہوا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ علم محیط اور کامل رحمت جیسی صفات سے متصف ہونے کی وجہ سے اس کے ہر خطاب کو ذاتی طور پر قانونیت اور حکم بننے کا درجہ حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اصول فقہ کے علماء حکم کی تعریف یوں کرتے ہیں: "خطاب الله تعالىٰ المتعلق بأفعال المكلفين اقتضاءً أو تخييرًا أو وضعًا".

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا خطاب جو مکلفین (عاقل و بالغ لوگوں) کے افعال سے متعلق ہو، وہ خطاب طلبی (جیسے فرائض واجبات اور سنن میں) ہو یا اختیار دینے والا ہو (امورِ مباحہ میں) یا وضعی ہو (جیسے نمازِ ظہر کے لئے وقتِ ظہر کا سبب ہونا)۔

بہر حال ! یہاں پر مکلفین کے نام صرف اللہ کے خطاب کو حکم اور قانونیت کا درجہ حاصل ہے، یعنی قانونیت اللہ کے کلام کی ذاتی صفت ہے اور ذات اور ذاتی کے درمیان **تخَلُّلِ جَعْل** تو عقلاً بھی باطل ہے، یعنی کسی چیز کو اپنی ذاتیات اور ماہیات ثابت کرنے کے لئے شرائط اور وسائط نہیں ہوتے، بلکہ وہ تو بغیر کسی شرط کے ثابت ہوتے ہیں، جبکہ انہوں نے تو ایوان میں اس کی پیشی، اس کے لئے کسی اچھے سفارشی کا ملنا، آئین کے ضابطۂ کار کے خلاف نہ ہونا، ارکانِ ایوان کا اس پر بحث کرنا، ووٹنگ میں دو تہائی اکثریت حاصل کرنا، دوسرے ایوان سے پاس ہونا، صدر کی توثیقی دستخط، اور ان تمام کے بعد بھی محدود انداز میں اس کا قانون بننا، جس سے حکومت کی موجودہ سیاسی شکل متأثر نہ ہو اور وہ ارکان ایوان پر بالا دست نہ ہو، بلکہ ان کو یہ اختیار حاصل ہو کہ وہ اس میں ترمیم کر سکیں، اس طرح کے شرائط لگائی گئی ہیں، یہ بالکل عقلاً غلط ہے لتخلل الجعل بين الذات والذاتيات اور عرفاً بھی یہ بات غلط ہے، کیونکہ عرف میں ایک غلام اور ایک ملازم کے لئے اپنے آقا کا حکم بغیر کسی چوں وچرا کے قانون ہوتا ہے اور اس کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ وہ اس پر سوچے کہ یہ اس کے مفاد میں ہے کہ نہیں۔

اسلم: لیکن ایک سوال ہے، وہ یہ کہ اگر ان کا یہ عمل تدرج فی التنفیذ کہا جائے تو پھر کیا یہ ٹھیک نہیں ہے ؟

خالد: جی نہیں ! یہ تدرج في التشريع ہے، تدرج في التنفيذ نہیں، کیونکہ آئین میں ہے: ''کسی کو اس کام پر سزا نہیں دی جائے گی جس کا ارتکاب قانون بننے سے پہلے ہوا ہو''۔ مثلاً کسی سے اُس وقت ارتداد سرزد ہو جائے جب وہ قانوناً جرم نہ ہو تو قانون بننے کے بعد اس (مرتد) شخص کو سزا نہیں دی جاسکتی، کیونکہ یہ عملِ ارتداد اس نے قانون بننے سے پہلے کیا تھا۔ تو صاف مطلب یہ ہے کہ اس کی قانونیت کالعدم ہے نہ کہ تنفیذ۔

اسلم: مان لیا! یہ تدرج في التشريع ہے (جو کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کے لئے قانونیت کو ذاتی صفت ہونے سے مانع ہے) اور یہ حرام و کفر ہے۔

خالد: ماشاء اللہ ! اتباعِ حق ایک اچھی صفت ہے جو آپ نے اختیار کر رکھی ہے، اللہ تعالیٰ ہر کسی کو نصیب کرے۔ ایک اور بات کی طرف

آپ کی توجہ مبذول کرانا مقصود ہے،آپ کو پاکستان کی نام نہاد اسلامی فوج کے بارے میں معلوم ہے کہ ان کے یہاں ایک مقولہ مشہور ہے: ''آرڈر از آرڈر'' جس کا مطلب ہے: بڑوں کا حکم جیسا بھی ہو وہ ماننا ہوگا، چنانچہ بڑوں کا حکم مان کر انہوں نے قبائل میں مسلمانوں کے خلاف آپریشنوں کا سلسلہ شروع کیا، بڑوں کا حکم مان کر انہوں نے لال مسجد پر چڑھائی کی، بڑوں کا حکم مان کر انہوں نے سوات میں شرعی احکامات کو نافذ کرنے کی پاداشمیں اہل سوات کے خون کو مباح سمجھا اور بے دردی سے ان کا خون بہایا، صرف بطورِ بہانہ یہ دلیل پیش کی کہ انہوں (طالبان) نے حکومتی رِٹ چیلنج کیا ہے، حالانکہ خود انہوں (فوج وریاست) نے الٰہی رٹ کو ایسے انداز میں چیلنج کیا ہے جیسا کہ اس کا کوئی اختیار اس ملک میں نہ ہو۔

اسی طرح یہ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ مذہبی احکامات کی قانونیت شریعت کی رو سے درجۂ وجوب میں ہے (یعنی جانبِ عدم میں سلبِ ضرورت ہے اور جانبِ وجود میں ضرورت ہے) مطلب یہ ہے کہ شریعت کو قانونی درجہ وحیثیت دینا لازمی ہے اور اس کا کسی وقت میں قانون نہ ہونا ممتنع ہے، لیکن موجودہ جمہوری نظام کی رُو سے اس کی قانونیت امکانِ خاص کے درجے میں ہے (جس میں سلبِ ضرورت عن الجانبَین ہوتی ہے، یعنی وجود بھی ضروری نہیں اور عدم بھی) مطلب یہ کہ جمہوریت میں یہ بھی نہیں کہ شریعت بالکل قانونی حیثیت نہیں پاسکتی اور یہ بھی نہیں کہ لازماً قانون بنے، بلکہ دونوں ممکن ہیں۔

ہمارا نزاع ان جمہوریوں کے ساتھ اس میں ہے کہ دینی احکام فی الوقت بغیر کسی شرطِ اضافی کے قوانین ہیں، جبکہ ان کا مدعا یہ ہے کہ یہ قوانین فی الوقت مذہب کے قوانین ہیں، ملک کے واجب الاطاعت قوانین فی الوقت نہیں، البتہ یہ احکامات قوانین بن سکتے ہیں، تو اُن کے ساتھ ہمارا نزاع قانون ''ہونے'' اور ''بن سکنے'' میں ہے (جس کی تعبیر ہم نے اصطلاحِ منطق کے مطابق امکانِ خاص اور وجوب سے کی) ﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ﴾

ترجمہ: اور ہم نے جو بھی پیغمبر بھیجا ہے، اس لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے فرمان کے مطابق اس کا حکم مانا جائے۔(النساء:64)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارسالِ رُسل کی علت لِيُطَاعَ بیان کی ہے، یعنی رسول مُطاع ہے اور رسول پر اتارے گئے احکامات واجب الاطاعت قوانین ہیں، چونکہ علت ومعلول کے درمیان کسی چیز کا تخلُّل نہیں ہوتا ہے، بلکہ علت اور معلول (حکم) کے درمیان دوران ہوتا ہے، خود علت تام کے وجود سے فوراً معلول موجود ہوجاتا ہے، کسی تیسرے چیز کا انتظار نہیں کرنا پڑتا، جبکہ موجودہ جمہوری نظام میں تیسری چیز کا انتظار بھی ہوتا ہے اور وہ ہے پارلیمنٹ اور اکثریت کی منظوری جو کہ مستلزم ہے نفی رسالت کو یا نفی رسالت برائے اطاعت کو اور یہ دونوں چیزیں حرام اور کفر ہیں۔

اسی طرح قرآن وسنت جو خود دین میں معیار ہیں اور اُصولِ شرع میں سے ہیں ان کے نزدیک اس کے لئے الگ معیار مقرر کیا گیا ہے، جو قرآن وسنت کی معیاریت اور اصلیت پر قدغن ہے اور یہی اس نظام کا کفر ہے اور وہ معیار اکثریت ہے۔ اگر قرآن وسنت اکثریت کے معیار پر پورے اتریں تو قانون بنیں گے ورنہ نہیں۔

اسی طرح ان کے نزدیک قرآن وسنت خواہ کتنے ہی قطعی الدلالة اور قطعی الثبوت ہوں جب تک اکثریت انہیں پاس نہ

کرے ان کی حیثیت ایک مفروضے سے زیادہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شرعی احکامات کی حیثیت اس نظام میں قانونی تجاویز کی تو ہے، واجب الاطاعت نہیں، اور قانونی تجاویز میں یہ ممکن ہے کہ قانون بنے یا نہ بنے، اور ان سب قانونی تجاویز پر حاوی چیز قانونی پروسیجر ہے۔ اب (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کی حیثیت اس نظام میں ایک قانون دان کی تو ہے، لیکن مطلق مُقَنِّن کی نہیں۔

اسلم: لیکن بھائی خالد! اس ملک میں جو نماز پڑھنے کی اجازت ہے، روزے رکھنے کی اجازت ہے، حج اور زکوۃ ادا کرنے کی اجازت ہے، اور مدارس، مساجد، خانقاہیں اور تبلیغی مراکز موجود ہیں، کیا یہ اس ملک کے اسلامی ہونے کے لئے کافی نہیں؟

خالد: اس کا جواب ایک سوال پر موقوف ہے، وہ یہ کہ کیا امریکہ میں ان تمام امور کی اجازت ہے یا نہیں؟

اسلم: بالکل اجازت ہے۔

خالد: تو کیا امریکہ کو ہم اس وجہ سے ایک اسلامی ملک کہہ سکتے ہیں؟

اسلم: نہیں۔

خالد: کیوں؟

اسلم: آپ بتائیں۔

خالد: وجہ یہ ہے کہ دین (جیسا کہ ہم نے ابتداء میں ذکر کیا) دو طرح ہے: ایک ہے انفرادی دین، اور دوسرا ہے اجتماعی دین۔ اس کے مقابلے میں سیکولرازم کی موجودہ جمہوری شکل (جو کہ ایک کفری نظام ہے) کمیونزم کی طرح دین پر مکمل پابندی نہیں لگاتی، بلکہ اس میں اجتماعی دین پر پابندی ہے۔ دین کو حکومت، سیاست اور معاملات وغیرہ سے جدا کرتی ہے۔ آج جبکہ پوری دنیا میں سیکولر نظام حاکم ہے کہیں بھی انفرادی دین پر پابندی نہیں، ہر کسیکو اختیار ہے کہ وہ مسجد جائے یا کہیں اور۔

اسی طرح کیا کسی دوسرے مذاہب والوں کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ مندر جائیں؟

چنانچہ جس طرح آپ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ آپ انفرادی دین پر عمل کر سکتے ہیں، اسی طرح ہندوؤں کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی انفرادی عبادات اور تہواروں کو منائیں۔

اسلم: آپ نے درست فرمایا، ان کو بھی یہ اختیار حاصل ہے۔

خالد: تو کیا ہندوؤں، عیسائیوں اور یہودیوں کو اپنے انفرادی دین کی اجازت ملنے سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک ہندو یا عیسائی یا یہودی حکومت ہے؟

اسلم: نہیں۔

خالد: کیوں کہ یہ ایک انفرادی عبادت ہے اور اجتماعی نظام ان کے ساتھ مربوط نہیں، اس لئے ناں؟

اسلم: بالکل اسی طرح ہے۔

خالد: تو جس طرح ایک ملک میں عیسائیوں کو انفرادی عبادات کی آزادی سے وہ ملک عیسائی نہیں بن جاتا، اسی طرح مسلمانوں کو انفرادی عبادات کی آزادی سے وہ ملک اسلامی نہیں بنتا، یہ ویسے ترجیح بلا مرجح ہے۔ ایک دوسری مثال دیتا ہوں، کیا اسلامی خلافتوں کے قیام کے دوران

تمام ادیان والوں کو اپنے دین پر عمل کرنے کی آزادی نہ تھی؟

اسلم: بالکل آزادی تھی۔

خالد: تو (نعوذ باللہ) کیا ان خلافتوں کو ہم عیسائی یا یہودی یا ہندو حکومتیں کہیں گے؟

اسلم: بالکل نہیں۔

خالد: موجودہ دور میں "انفرادی مذہبی آزادی" ہمیں سیکولرازم کی وجہ سے حاصل ہے، کیونکہ شخصی آزادی تو سیکولرازم نے دی ہے، لیکن اس آزادی کی وجہ سے ہم اس ملک کو اسلامی نہیں سمجھ سکتے، بلکہ وہ بدستور کفری ملک ہی رہے گا۔

اسلم: جی ہاں! اس نے تو اسلام کو اس وجہ سے آزادی نہیں دی ہے کہ اس کی بنیاد وحی پر ہے، بلکہ اس وجہ سے دی ہے کہ اس نے سارے ادیان کو انسان کی انفرادی زندگی میں آزادی دی ہے، اس بنیاد پر اسلام کو بھی آزادی مل گئی ہے، عیسائیت کو بھی، یہودیت کو بھی اور ہندومت کو بھی۔ یقیناً اس آزادی سے کوئی ملک کسی طور پر اسلامی نہیں بن سکتا، بلکہ یہ آزادی تو کفر کی وجوہات میں سے ایک وجہ اور کفر کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ کیونکہ یہ اسلام کو دوسرے ادیان کا مساوی سمجھنا ہے اور اس کی فوقیت سے انکار ہے جو کہ عظیم کفر ہے۔ اسلام تو تمام ادیان سے بالاتر دین ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ کے ہاں (معتبر) دین اسلام ہے۔ (آل عمران: 19)

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا، تاکہ اس (دین) کو (دنیا کے) تمام ادیان پر غالب کرے، اگرچہ کافر ناخوش ہی ہوں۔ (توبہ: 33)

﴿وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الْعُلْيَا﴾ اور کافروں کی بات کو پست کر دیا اور بات تو اللہ ہی کی بلند ہے۔ (توبہ: 40)

اور حدیث شریف میں ہے: عن عائذ بن عمرو المزني رضى الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "الإسلام يعلو ولا يعلىٰ".

ترجمہ: اسلام فائق رہے گا، اس پر کسی (دین) کی فوقیت نہیں ہو گی۔ (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب المهر، حديث: 30)

اور ایک دفعہ جب ایک اَعرابی نے اسلام قبول کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: "الحمد لله الذي هداك إلىٰ هذا الدين الذي يعلو ولا يعلى".

ترجمہ: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے تجھے ایسے دین کی ہدایت دی جو فائق رہے گا، اس پر کسی (دین) کی فوقیت نہ ہو گی۔ (معجم صغیر، حدیث: 948)

اور اس دین کی دیگر ادیان پر برتری اتنی مطلوب اور لازمی ہے کہ اس کے لئے جنگ کی جاتی ہے اور جو اُس جنگ میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے اور جو زندہ لوٹے وہ غازی (فی سبیل اللہ) ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله".

ترجمہ: جو اس لئے لڑے تاکہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ سربلند ہو تو وہ اللہ کے راستے میں ہے۔(صحیح بخاری، حدیث: 123)

لیکن اس لادین سیکولر جمہوریت نے اس دینِ قیّم کو دوسرے ادیان کا مساوی قرار دیا اور اس پر جمہوریت اور دستور کو ترجیح دے کر قانون سازی کے ضابطۂ کار کو دینِ الٰہی پر بھی لاگو کیا۔

خالد: سبحان اللہ! اس منافقانہ نظام پر غور کرنے سے بندہ دنگ رہ جاتا ہے کہ یہ انہوں نے کیسے ملمع سازی اور مکاری سے کام لیا ہے۔

میرے دوست! اگر آپ اپنے پہلے سوال پر غور کریں تو آپ کے سوال میں خود ہی ایک جواب موجود ہے وہ یہ کہ آپ نے بتایا کہ انہوں نے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر انفرادی عبادات کی اجازت دی ہے۔ بات صرف اجازت تک ہے، یعنی یہاں بھی اسلامی احکامات کو وہ حیثیت و درجہ نہیں دیا ہے جو اسلام نے دیا ہے۔اِس (نظام) نے تو سارے احکامات کو مباح کا درجہ دیا ہے، کیونکہ اس نے نماز کی اجازت دی ہے نہ یہ کہ نماز کو فرض سمجھتا ہے۔ اور اس کو بجانہ لانے والوں کے لئے کوئی سزا نہیں، اور نہ ہی کوئی ایسا ادارہ ہے جو اِقامتِ صلوٰۃ کا اہتمام کرے۔ یہی صورتِ حال زکوٰۃ، حج، روزہ اور دیگر احکامات کی ہے، کیونکہ ان احکام کا جمہوری نظام کے ساتھ تصادم نہیں۔ اور جو احکام متصادم ہیں ان پر موجودہ جمہوری نظام میں سخت پابندی ہے، (جیسے جہاد، حدود و قصاص وغیرہ، کیونکہ ہیومن رائٹس کی بنیاد پر قائم جمہوریت کا ان کے ساتھ واضح ٹکراؤ ہے) اور شریعت کے جو احکام اُن کے نظام کے فائدے میں ہیں انہیں واجب یا حرام قرار دیا ہے (جیسے اولوالامر کی اطاعت کا وجوب اور چرس و ہیروئن کی حرمت)۔ سود کے بارے میں آپ نے آئین کا یہ آرٹیکل دیکھا ہو گا کہ عوام کے مفاد کی خاطر سود کو جتنا جلد ممکن ہو بند کیا جائے گا۔ یعنی سود کو بند کرنے کی علت اللہ کی طرف سے اس کی حرمت نہیں، بلکہ عوامی مفادات کو نقصان پہنچنا ہے۔

انہوں نے اسلامی شریعت کے احکامات کے نفاذ کی جو بات کی ہے اس کے لئے بھی ان کے ہاں معیار ارکانِ ایوان کی رائے اور ان کی منظوری ہے، اس لئے تو بل ان کو پیش کیا جاتا ہے اور اتنے مراحل سے گزرتا ہے۔ اب ایک طرف اس آئین میں اباحیت ہے، کیونکہ کوئی چیز بھی وحی کے معیار ہونے کی وجہ سے قانونی حیثیت نہیں رکھتی، بلکہ اس میں ارکانِ ایوان کی اکثریت کی رضامندی اور منظوری کو دخل ہے۔

دوسری طرف ان کے ہاں فرقِ مراتب کا اتنا فقدان ہے کہ ایک عام قانون دان کی قانونی تجویز اور اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو قانونی حیثیت دینا برابر ہے، مطلب یہ ہے کہ ایک عام قانون دان کی قانونی تجویز اور شریعت بل دونوں پر درجہ ذیل مراحل آئیں گے:

1- منظوری کے لئے اس کی پیشی۔ 2- آئین کے ضابطۂ کار سے مطابقت۔ 3- بحث، 4- ووٹنگ۔ 5- صدر کی توثیق۔

دوسری مثال یہ کہ اسلام میں بعض احکامات کا حکم فرض ہے جبکہ بعض کا حکم واجب، بعض کا سنت، بعض کا استحباب، بعض کی کراہت، بعض کی اباحت، بعض کی حرمت وغیرہ، جبکہ انہوں نے سب کو قانون بننے سے پہلے اباحت کا درجہ دیا ہے، کیوں کہ آئین کی رُو سے کسی بھی جرم کے بارے میں یہ اصول ہے کہ جب تک قانون نہ بنا ہو تو وہ جرم نہیں، چنانچہ قانون بننے کے بعد سابقہ جرم پر سزا نہیں دی جائے گی۔

اور مشہور ہے فارسی کی ضرب المثل: ''اگر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی''۔ (یعنی اگر مراتب کا فرق نہیں کرو گے تو زندیق ہو جاؤ گے)

اسلم: ماشاءاللہ! آپ کے ساتھ مکالمہ کرتے ہوئے مجھ پر کئی حقائق منکشف ہوئے، ایک طرف اسلامی قانون کے نفاذ کے بارے میں آئینی دفعات کا پتہ چلا، جبکہ دوسری طرف اس کا مناقض قول اور وہ چور گیٹ معلوم ہوا جس کے ذریعے انہوں نے شریعت کے نفاذ سے بھاگنے کا بھرپور انتظام کیا ہے۔ میں تو حیران تھا کہ اس آئین پر کیا حکم لگاؤں؟ ایک جانب کہتا ہے کہ حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے تو دوسری جانب خود ہی اس دفعہ کا مناقض قول (جرم و سزا کا تعیین صرف اور صرف ملک میں رائج قانون کرے گا) لاتا ہے، حالانکہ قانون دانوں کی تشریح کے مطابق آئین کا کوئی حصہ دوسرے حصے پر حاکم نہیں ہے۔ میں تو حیران تھا مگر آپ کے واضح مثالوں کی بدولت میں سمجھ گیا کہ آئینِ پاکستان منافقانہ طرز پر تیار کردہ دستور ہے، جس میں ہر معاملے میں مکاری سے کام لیا گیا ہے۔ اس لئے یہ کہتے ہوئے مجھے کوئی تردد نہیں کہ یہ ایک زندیقانہ آئین ہے۔

لیکن اس کے باوجود میرے دل میں یہ سوال ہے کہ آپ نے جو اِس آئین کو ایک اباحی قانون قرار دیا، اباحیت تو ایک عقیدہ ہے جس کی رو سے سب کچھ جائز اور مباح ہوتا ہے، کسی چیز کا کوئی دوسرا حکم نہیں ہوتا، جیسا کہ ملل و نحل کی کتابوں میں مذکور ہے اور یہاں پر یہ حکم لگانا میرے خیال میں اس لئے ٹھیک نہیں کہ اس آئین اور قانون کی رو سے بھی بعض اشیاء ناجائز ہیں، جیسے چرس، ہیروئن، چوری وغیرہ۔

خالد: میرے پیارے بھائی! اباحیت کا اطلاق جو ہم نے اس آئین پر کیا ہے، وہ ایک کلیہ کے طور پر ہے (مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے یہاں تمام چیزیں مباح ہیں، اگر کیسی چیز میں وجوب و فرضیت یا کراہت و حرمت آتی ہے وہ معروضی حالات کی وجہ سے آتی ہے) لیکن ایک اس کا خصوصی اطلاق ہے جو تجزی کو قبول کرتا ہے، یعنی بعض اشیاء اور بعض کاموں کے بارے میں ان کا نظریہ وجوب و حرمت کا ہو سکتا ہے۔ کیا روافض میں اباحیہ موجود ہیں؟

اسلم: جی ہاں! موجود ہیں۔

خالد: لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ روافض کے جو اباحیہ ہیں وہ تمام اشیاء کو مباح نہیں سمجھتے، بلکہ بہت سے احکامات ان کے ہاں ایسے ہیں جو کہ فرض ہیں، بعض ایسے ہیں جو کہ حرام ہیں، لیکن پھر بھی ان کو اباحیہ کہا جاتا ہے؟

اسلم: مثال دیکر سمجھائیں، بات اچھی طرح سمجھ میں نہیں آئی؟

خالد: میرے بھائی! اتنا تو آپ کو معلوم ہے کہ روافض (خذلہم اللہ) حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے تبرا کرتے ہیں اور اس تبرا کو فرض سمجھتے ہیں اور ان سے محبت کو حرام سمجھتے ہیں؟

اسلم: بالکل! یہ تو روافض کا بنیادی عقیدہ ہے جو کسی کے رافضی بننے کے لئے بنیادی شرط ہے اور اس کے بغیر کوئی شخص رافضی نہیں ہو سکتا۔

خالد: تو دیکھیں! ان کے ہاں فرض بھی موجود ہے (جو کہ شیخین رضی اللہ عنہما سے تبرا ہے) اور ان کے ہاں حرام بھی موجود (جو کہ ان دونوں سے محبت ہے) لیکن پھر بھی بعض احکامات کی وجہ سے ان کو اباحیہ کہا جاتا ہے جس کی حرمت کے وہ قائل نہیں ہیں۔

اسلم: جی ہاں! بات سمجھ میں آگئی۔

خالد: توجب بات آپ کے سمجھ میں آگئی تو میرا مقصد یہ ہے کہ اباحیت کا عقیدہ خاص اطلاق کے اعتبار سے تجزّی قبول کرتا ہے اور اس کی رُو سے جب یہ آئین وحی کی بنیاد پر نہیں، بلکہ اپنی بنیادوں پر حرمت واباحت کا قائل ہے، اگر کسی چیز کی حرمت پر قانون بن جائے تو ٹھیک ہے، ورنہ قانون بننے سے پہلے وہ مباح تصور کیا جائے گا، اور ساتھ ساتھ (جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا) اس نے بعض فرض احکامات کو فقط اجازت دی ہے جو کہ اباحت ہے۔

اسلم: أعوذ بالله مما يمكرون.

خالد: اب میرا ایک اور سوال سن لیں، کسی مسلمان کو کافر کہنے کا کیا حکم ہے؟

اسلم: بغیر کسی دلیل کے کسی مسلمان کو کافر کہنا کفر ہے، جیسا کہ حدیث اس پر ناطق ہے۔

خالد: اور کسی کافر کو مسلمان سمجھنا کیسا ہے؟

اسلم: وہ بھی کفر ہے، جیسا کہ شاہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے:

ومن لم يكفّر كافريها يجر له الإنكار يستويان

ترجمہ: اور جس نے اس کے (ختم نبوت) کے منکرین کی تکفیر نہیں کی تو یہ انکار اس کو بھی کھینچتا ہے اور پھر وہ دونوں (منکر اور تکفیر نہ کرنے والا) کفر میں مساوی ہیں۔ (اکفار الملحدین)

خالد: قادیانی کون ہیں؟

اسلم: وہ تو غلیظ ترین کافر ہیں، کیونکہ وہ ختمِ نبوت کے منکر ہیں اور ختمِ نبوت ضروریاتِ دین میں سے ہے، جس میں جہل کا کوئی اعتبار نہیں۔

خالد: کیا آپ کو پتہ ہے کہ پاکستان بننے کے بعد اس ملک میں لمبے عرصے تک ملکی قانون کی روسے یہ (قادیانی) لوگ مسلمان سمجھے جاتے تھے؟

اسلم: بالکل وہ تو کل تک مسلمان سمجھے جاتے تھے۔

خالد: تو کیا وہ آئین اور قانون جس کی رُو سے قادیانی جیسے کافر مسلمان ہوں، اسلامی ہو سکتا ہے؟

اسلم: نہیں! بالکل نہیں۔

خالد: یہ تو چھوڑیں، کیونکہ وہ تو اب قانون کی رُو سے کافر شمار کیے جاتے ہیں، لیکن روافض کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جو شیخین کی خلافت اور ان کے ایمان کے بھی منکر ہیں؟

اسلم: ان کے کفر میں کون شک کر سکتا ہے؟!

خالد: کیا اس آئین کی رُو سے قانوناً وہ لوگ کافر سمجھے جاتے ہیں کہ مسلمان؟

اسلم: مسلمان سمجھے جاتے ہیں۔

خالد: اب ان کو مسلمان سمجھنا کیسا ہے؟

اسلم: کفر ہے۔

خالد: اب آئینِ پاکستان اور پاکستان کے اساسی قانون کے بارے میں کیا خیال ہے ؟

اسلم: کفر در کفر ہے۔

خالد: اب اس کفری آئین پر قائم جمہوریت کیا اسلامی ہو سکتی ہے ؟ کیا یہ بناء الفاسد علی الفاسد نہیں ؟ کیا مشرقی اور مغربی، اسلامی اور کفری، لبرل اور مذہبی جمہوریت میں کوئی فرق رہ گیا؟

اسلم: بالکل نہیں ! میں تو نہیں کہتا لیکن یہ لوگ کہتے ہیں کہ آئین کی رُو سے اسلامی احکامات کی قانون سازی کا جو جواز موجود ہے اس کی رُو سے یہ اسلامی ملک ہے ؟

خالد: ماشاءاللہ !آفرین بر علمِ غلام جان، جنگ ہماری اسی بات پر ہے کہ اس نے اسلامی احکامات کے قانون بننے کا جواز دیا ہے، جبکہ ہم بغیر کسی منظوری کے ہر وقت اسلامی احکامات کو واجب الاطاعت قانون سمجھتے ہیں اور یہ (وجوب) اس کی ذاتی صفت مانتے ہیں جو کسی بھی وقت ان احکامات سے جدا نہیں ہو سکتا۔ آئین میں صرف وعدے کی موجودگی سے یہ قانون اسلامی نہیں بن سکتا، اگر کوئی غیر مسلم یہ کہے کہ میں مستقبل میں ایمان لاؤں گا تو اس کا کیا حکم ہو گا؟

اسلم: کافر ہی سمجھا جائے گا۔

خالد: تو اس کی مثال تو ایسی ہی ہے اور اس میں بھی اس اُعجوبہ کو دیکھیں کہ کہتے ہیں: قانون تب بنے گا جب دو تہائی اکثریت اس کو پاس کرے۔ کیا امریکی آئین نے اس بات کی نفی کی ہے کہ اگر دو تہائی اکثریت اسلامی بل کو منظور کرے تو یہاں پر اسلامی نظام نافذ نہیں ہو گا؟

اسلم: نہیں ! امریکہ کے آئین میں ایسا نہیں ہے، کیونکہ اس قسم کی قیودات لبرل جمہوریت کے خلاف ہیں، لبرل جمہوریت تو آزادی دیتی ہے اور آزادی یہ ہے کہ عوام کو جو کچھ منظور ہو وہ قانون بنے۔

خالد: ماشاءاللہ ! تو جو چیز یہ لوگ اسلامی جمہوریت کے مُمیِّز اور فصل کے درجے میں پیش کرتے ہیں وہ مُمیِّز نہیں، بلکہ وہ لبرل جمہوریت اور برائے نام اسلامی جمہوریت کے مابین مشترک ہے، (یعنی جس طرح اسلامی جمہوریت کی رُو سے دو تہائی اکثریت کی منظوری بعد اسلامی قوانین کو قانون کا درجہ مل سکتا ہے، بعینہ لبرل جمہوریت میں بھی دو تہائی اکثریت کی منظوری بعد اسلامی قوانین کو قانون کا درجہ مل سکتا ہے) تو پھر یہ ایک علیحدہ قسم کیسے بن گئی، حالانکہ ایک قسم کی تمیز دوسری قسم سے اس چیز پر ہو سکتی ہے جو اُن کے درمیان مشترک نہ ہو، جیسے انسان جب حمار سے جدا ہوتا ہے تو وہ حیوان کی وجہ سے نہیں، اس لئے کہ وہ دونوں کے درمیان مشترک ہے، بلکہ ناطق کی وجہ سے (جو کہ کسی بھی صورت گدھے میں موجود نہیں ہے) جدا ہوتا ہے۔ پس جب یہ مُمیِّز (جو کہ دو تہائی اکثریت سے اسلامی حکم کو قانون کا درجہ دینا ہے) لبرل اور اسلامی دونوں کے درمیان مشترک ہے، یہ کسی بھی صورت اسلامی جمہوریت کو لبرل جمہوریت سے الگ قسم بنانے کے لئے کافی نہیں، بلکہ اسے لبرل جمہوریت ہی سمجھا جائے گا۔

اور اب سکے کا دوسرا رخ دیکھیں ! ارادۂ کفر کی وجہ سے بندہ کافر ہوتا ہے کہ نہیں ؟

اسلم: جی ہاں! کافر ہو جاتا ہے۔

خالد: کیا اس آئین کی رو سے اگر کوئی بل غیر اسلامی ہو اور اُسے دو تہائی اکثریت پاس کرے تو وہ قانون بنے گا یا نہیں؟

اسلم: لیکن انہوں نے تو دفعہ 227 میں کہا ہے کہ کوئی قانون قرآن و سنت کے منافی نہیں بنے گا اور ایسا قانون اسلامی نظریاتی کونسل اس حد تک ردّ کرے گی جس حد تک وہ اسلام کے منافی ہو۔

خالد: لیکن اسلامی نظریاتی کونسل کا فیصلہ آنے کے بعد پارلیمنٹ کیا کرے گی؟

اسلم: آئین کی رُو سے نظر ثانی کرے گی۔

خالد: صرف نظر ثانی ہی ہے۔

اسلم: لیکن یہ بات کہ منافات کی صورت میں قانون نہیں بنے گا۔

خالد: فائنل فیصلے کا اختیار کس کے پاس ہے؟

اسلم: وہ تو پارلیمنٹ کے پاس ہے۔

خالد: تو کیا نظریاتی کونسل کو انہوں نے بے فائدہ نہیں کیا؟

اسلم: جی ہاں!

خالد: کیا نظریاتی کونسل کا کام صرف سفارشات پیش کرنا نہیں؟

اسلم: وہ تو ہے۔

خالد: تو کیا سفارش ماننا لازم اور فرض ہے؟

اسلم: نہیں، بلکہ سفارش میں جس کے سامنے سفارش کی جاتی ہے وہ خود مختار ہوتا ہے، چاہے منظور کرے چاہے ردّ کرے اور اس پر حدیث بریرۃ رضی اللہ عنہا دال ہے، جب حضور ﷺ نے ان کو مغیث کے بارے میں سفارش کی تو انہوں نے پوچھا: کیا یہ امر ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ سفارش ہے۔ چنانچہ حضرت بریرۃ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی سفارش پر عمل نہیں کیا۔ اگر سفارش امر کے درجے میں ہو تو پھر سفارشات کے پیش کرنے کا کیا مطلب؟ بلکہ پھر تو ایوان (پارلیمنٹ) کو ضرورت ہی نہیں تھی، بلکہ نظریاتی کونسل کافی تھی۔

خالد: اب ایک اور سوال، کسی بھی غیر شرعی حکم کے بارے میں جب نظریاتی کونسل کی سفارش وقتِ موعود سے مؤخر ہو جائے تو غیر اسلامی حکم قانون بن سکتا ہے کہ نہیں؟

اسلم: ہاں بن سکتا ہے! آئین کی رُو سے تاخیر کی صورت میں پارلیمنٹ اور صدر ایسا کر سکتے ہیں اور آئین کی تصریح کے مطابق یہ کام عوامی مفادات کے تحت کیا جاتا ہے۔

خالد: تو کیا اس صورت میں غیر اسلامی قانون کو پذیرائی حاصل نہیں ہوئی؟

اسلم: بالکل حاصل ہوئی۔

خالد: اب غیر اسلامی حکم کو قانون بننے کا یہ حق کس نے دیا؟

اسلم: پاکستان کے آئین نے۔

خالد: کون سی دفعہ کے تحت؟

اسلم: دفعہ 230 کے تحت شق نمبر: 3۔

خالد: یہ ہے ان کا اسلامی آئین، لیکن اب اپنے اصلی سوال کی طرف آتے ہیں کہ کیا اس آئین میں جس طرح انہوں نے دو تہائی اکثریت کی منظوری کی شرط اسلامی احکامات کے لئے لگائی ہے اور اس کا وعدہ موجود ہے، تو اسی طرح دو تہائی اکثریت سے غیر اسلامی قانون کی منظوری کا وعدہ بھی موجود ہے، جب کہ پہلا (اسلامی احکامات کی منظوری) عملی طور پر کبھی بھی مشاہدے میں نہیں آیا جبکہ دوسرے کا ہم نے بارہا مشاہدہ کیا ہے۔ لہذا جب آئین اسلامی وغیر اسلامی دونوں قسم کی دفعات سے مرکب ہے، تو نتیجہ اخس ارذل کے تابع ہونے کی وجہ سے یہ آئین غیر اسلامی شمار ہوگا کہ اسلامی؟

اسلم: غیر اسلامی۔

خالد: اب آتے ہیں اصل موضوع کی طرف۔ یہ کونسی جمہوریت ہے؟

اسلم: لبرل جمہوریت ہے، اور لبرل کا معنٰی چونکہ آزادی کے ہیں، تو اپنے لبرل ازم کو برقرار رکھنے کے لئے اپنی شرائط پر پورا اُترنے کے بعد (دو تہائی اکثریت کی منظوری کے بعد) ہر قسم کی قانونی تجویز کو قانونی حیثیت حاصل ہوسکتی ہے، چاہے وہ اسلامی ہو غیر اسلامی۔

خالد: بلکہ لبرل ازم تو جمہوریت کی ماہیت میں داخل ہے اور جمہوریت لبرل ہی ہے، کوئی دوسری قسم نہیں ہے، اس لئے کہ جمہوریت تو ہے ہی عوام کی حکومت اور اس میں قانون سازی کا آزادانہ اختیار عوام کو حاصل ہے۔ اب اگر وہ اسلام کے بارے میں یہ حکم لگائیں کہ ''دو تہائی اکثریت کی منظوری کے بعد کوئی بل قانون کے درجے تک پہنچ سکتا ہے، بشرطیکہ وہ اسلامی نہ ہو'' تو یہ ان کے اپنے لبرل ازم کے خلاف ہوگا، کیونکہ یہ تو پھر آزادی نہیں بلکہ پابندی ہوئی۔ اس لئے کسی اسلامی حکم کو اس بناپر قانونی حیثیت ملے کہ اسے دو تہائی اکثریت نے منظور کیا ہے یہ اسلام کی اس لحاظ سے قدر و منزلت نہیں کہ اسلامی احکامات کی قانونی حیثیت کی بنیاد وحی پر ہے، دو تہائی عوامی اکثریت پر نہیں۔

اگر یہ اکثریت عیسائی احکامات کو ملے تو اُسے بھی قانونی حیثیت ملے گی، اگر یہ اکثریت یہودی احکام کو مل جائے تو وہ بھی قوانین بنیں گے۔ تو گویا جمہوریت کی رُو سے تمام ادیان (اسلام، یہودیت، نصرانیت، اور بدھ مت وغیرہ) کی حیثیت ایک ہے۔ اب آپ بتائیں کہ کیا یہ مساوات دینا ہمارے لئے قابل فخر ہے جس پر ہم فخر کرتے ہیں کہ اس سے یہ ''مبارک جمہوریت'' اسلامی بن گئی ہے اور جس کی وجہ سے کوئی اسلامی حکم قانون بننے کے لئے اتنے سارے امتحانات سے گزرتا ہے؟

اسلم: نہیں! یہ بات تو قابل فخر نہیں، بلکہ باعثِ شرم ہے کہ ہم جمہوریت کو اسلامی کا نام دے کر اسے اسلامی بنائیں۔

خالد: بس یہاں پر تو غضب یہی ہے کہ جب بھی کفار کوئی نیا کفر نکالتے ہیں تو مسلمان کوشش کرتے ہیں کہ اس کفر جیسی کوئی چیز بنائیں اور اس کو اسلام کا نام دے دیں۔ مثال کے طور پر، ایک وقت تھا جب کمیونزم کا اشتراکی مذہب عروج پر تھا، تو مسلمانوں نے اس کی دیکھا دیکھی میں اسلامی اشتراکیت نکالی، جس طرح مغرب میں سودی بینک موجود ہیں اسی طرح ہمارے ہی ملک کے اندر یہ سود کا ادارہ مسلم

کمرشل کے نام سے موجود ہے،اور جس طرح وہاں جمہوریت ہے ہمارے لوگوں نے بھی ان کی طرح ایک اسلامی جمہوریت بنائی ہے۔

اسلم: لیکن یہ لوگ کہتے ہیں: اگر ہم پارلیمنٹ نہ جائیں تو ہماری جگہ فساق وفجار بیٹھیں گے؟

خالد: پارلیمنٹ بلکہ دونوں ایوانوں کا ذکر تو آپ نے سنااور ان کے اختیارات، ان کا دائرہ کار، اور پھر شریعت بل کے دوران ان کا شریعت پر بالادستی کے بارے میں تو آپ نے سنا؟

اسلم: بالکل میں نے سنااور وہ سب کچھ میں نے محفوظ بھی کیا۔

خالد: تو اب آپ کے خیال کے مطابق پارلیمنٹ بہت بدتر ہو گی یا سنیما ہال؟

اسلم: پارلیمنٹ تو بدرجہا بدتر ہے، کیونکہ اس کا یہ طریقۂ کار تو کفر ہے، جبکہ سنیما ہال میں جانا گناہِ کبیرہ تو ہے لیکن وہاں پر جو کچھ ہو رہا ہے وہ کفر نہیں۔

خالد: اب اگر کوئی صالح شخص (مولوی صاحب) اس لئے سنیما جائے کہ میری جگہ کوئی فاسق وفاجر بیٹھے گا تو یہ کیسے ہو گا؟

اسلم: یہ تو ٹھیک نہیں ہے، لیکن سنیما میں جو بندہ جاتا ہے وہ تو فلم دیکھنے کے لئے جاتا ہے، اگر وہ اس نیت سے جائے کہ سنیما میں فلمیں بند کراؤں گا پھر تو ٹھیک ہو گا؟ جمہوری لوگ بھی یہ کہتے ہیں کہ ہم پارلیمنٹ اس لئے جانا چاہتے ہیں کہ غیر شرعی قوانین کا خاتمہ کر کے شریعت کی حکمرانی لائیں۔

خالد: لیکن ان غیر شرعی قوانین کا خاتمہ اور شریعت کی حکمرانی کس طریقے سے؟

اسلم: جمہوری طریقے سے۔

خالد: جمہوری طریقے میں تو آپ نے سنا کہ اس میں شریعت کا کتنا مذاق اڑایا جاتا ہے؟ پاس وفیل، منظوری ونامنظوری، شرعی حکم پر بحث اور اس پر ووٹنگ، کیا یہ سب کچھ آپ کو یاد نہیں؟

اسلم: بالکل یاد ہیں۔

خالد: تو کیا شریعت کے نفاذ کے لئے ایسا ناجائز طریقہ اختیار کرنا درست ہے؟ اور کیا اس طریقے سے شریعت کا صحیح نفاذ ممکن ہے؟

اسلم: ناممکن ہے اور نہ ہی جائز ہے۔

خالد: جب سنیما میں وہ فلم بند بھی نہیں کر سکتا یا بند تو کر سکتا ہے لیکن اس بند کرنے میں زیادہ محظور وحرام کام کا ارتکاب لازم آئے (مثلاً شریعت کا مذاق اڑانا وغیرہ) پھر سنیما میں جانا کیسا ہے؟

اسلم: پھر تو ٹھیک نہیں ہے۔

خالد: تو جب سنیما (جو کہ پارلیمنٹ سے کمتر ہے) جانا اس نیت سے کہ پھر کوئی فاسق میری جگہ جائے گا، ٹھیک نہیں، تو پارلیمنٹ میں جانا کیسے جائز ہو گا؟!

اسلم: لیکن یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم اسلامی قوانین کو نافذ نہ کر سکیں تو کم از کم بڑے کفری قوانین کو تو نافذ نہیں ہونے دیں گے؟

خالد: اس کا جواب میں دو شقوں میں دوں گا، ایک یہ کہ بندہ جب پارلیمنٹ کا رکن بنتا ہے تو اس سے حلف لیا جاتا ہے یا نہیں؟

اسلم: لیا جاتا ہے۔

خالد: کس چیز پر ؟

اسلم: کہ وہ آئین کا مکمل وفادار اور پاسدار ہو گا۔

خالد: تو اس کفری آئین پر حلف اٹھانا کیسا ہے ؟

اسلم: یہ تو بہت ہی محظور اور ناروا ہے۔

خالد: تو ان قوانین کو بند کرنے کے لئے (جو زیادہ کفری ہیں، اس کے لئے) اس عمل (آئین کی پاسداری کا حلف اٹھانے) کا ارتکاب کرنا کیا آپ کے خیال میں ٹھیک ہے ؟

اسلم: لیکن اگر وہ نیت میں آئین کے شرعی احکامات رکھ کر قسم کھائیں ؟

خالد: بھائی جان! قسم میں اُس شخص کی نیت کا اعتبار ہے جو قسم لیتا ہے، قسم اُٹھانے والے کی نیت کا اعتبار نہیں ہوتا۔

اسلم: بالکل صحیح۔

خالد: اب جواب کی دوسری شق ملاحظہ ہو: اگر کوئی سینما ایسا ہو جس میں ننگی فلمیں دکھائی جاتی ہیں، اب اگر اللہ کا کوئی نیک بندہ سینما کے اختیارات اس نیت سے سنبھالیں کہ میں اگر مکمل پابندی نہ لگا سکوں تو کم از کم ایسی فلمیں لگاؤں گا جو اس قدر فحش نہ ہوں، بلکہ قدرے مہذب ہوں، تو آیا ایسا کرنا ٹھیک ہو گا؟

اسلم: نہیں جی!

خالد: تو پارلیمنٹ جانے کا معاملہ سینما پر قیاس کریں، اگرچہ وہ گناہ میں سینما سے بڑھ کر ہے۔

اسلم: یقیناً اچھی نیت سے پارلیمنٹ جانے کا جواز از روئے شرع درست نہیں۔

خالد: جمہوریت کی ماہیت کفر ہے، اس کے موجدین (افلاطون وغیرہ) کافر تھے، اسے ہمارے ممالک میں لانے والے کفار ہیں اور اس نے اسلامی خلافت (کو ختم کر کے اس) کی جگہ لی ہے، جیسا کہ ترکی میں ہوا، خلافتِ عثمانیہ (جو مسلمانوں کی اُمید کی آخری کرن تھی، اس) کو جن لوگوں نے ختم کیا اس کی جگہ انہوں نے جمہوریت قائم کی۔ یہ سب کچھ غدارِ اعظم، مرتد مصطفی کمال نے کیا، آج ترکی میں اسی کی بدولتمثالی جمہوریت قائم ہے۔ اور تا حال امریکہ اور اقوام متحدہ کی یہ کوشش ہے کہ وہ دنیا میں جمہوریت کو بحال کریں۔

اب آپ بتائیں کہ جس نظام کی ماہیت کفر ہو، جس کے بنانے والے کافر ہوں، جسے ہمارے علاقوں میں لانے والے کافر ہوں، جو اسلامی خلافت کا قاتل ہو، جس کی تقویت کے دعویدار آج بھی کفار ہوں، تو کیا ایسا (نظام) اسلامی ہو سکتا ہے ؟! اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ میرا باپ انگریز ہے، میرا دادا انگریز تھا، میری ماں جرمن ہے اور میں خود پکا پشتون ہوں۔ عجیب ہے یہ ترکیب!!

اسلم: لیکن مجھے یہ بتائیں کہ کیا پاکستان میں سیکولر جمہوریت نافذ ہے ؟

خالد: آپ کو پتہ ہے سیکولرازم کسے کہتے ہیں ؟

اسلم: سیکولرازم تو لوگ بے دینی کو کہتے ہیں۔

خالد: لیکن درحقیقت سیکولرازم وہ نظام ہے جو انفرادی زندگی میں کسی طور دین پر پابندی نہیں لگاتا، البتہ اجتماعی زندگی میں دین کی حکمرانی نہیں مانتا۔ گویا سیکولرازم کی ایک حیثیت جابرانہ ہے، (جو اجتماعی نظام میں دین پر پابندی کی شکل ہے) اور ایک حیثیت اس کی آزادی کی ہے (جس کا مظہر انفرادی طور پر دین کی اجازت ہے)، گویا سیکولرازم کا فارمولہ ہے: ما لله لله، وما للقيصر للقيصر، یعنی جو اللہ کے لئے ہیں وہ اللہ ہی کے لئے ہوں گے یعنی اس میں قیصر (حکومت اور بادشاہ) مداخلت نہیں کرے گا اور جو حکومت کے لئے ہیں وہ حکومت کے لئے ہوں گے یعنی اس میں اللہ کی مداخلت نہیں ہو گی۔ یعنی دین انفرادی حد تک محدود رہے گا اور اجتماعی امور میں مداخلت نہیں کرے گا اور حکومت اجتماعیت سے تعلق رکھے گی، انسانوں کی انفرادی زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہو گا۔

تو کیا پاکستان میں نام نہاد اسلامی جمہوریت حقیقتاً سیکولر جمہوریت نہیں؟

اسلم: کیسے سیکولر جمہوریت ہے؟! اس نے تو دین کو آزاد چھوڑا ہے کہ جب بھی اسلامی قوانین ایوان میں اکثریت منظور کرے تو وہ نافذ ہو سکتے ہیں؟

خالد: بار بار باتوں کا تکرار نہیں کریں گے، کیا آپ خود یہ نہیں کہتے ہیں کہ ایوان کی اکثریت اس کو منظور کرے پھر اس کو جگہ مل سکتی ہے، یہ ہے اجتماعی امور میں دین کی مداخلت پر پابندی، کیونکہ دین تو اس وقت ہوتا جب اس کو دین ہونے اور وحی کی بنیاد پر قانون مانا جائے، لیکن یہاں پر ایسا نہیں، بلکہ ارکانِ ایوان کی منظوری کی وجہ سے اس کو پذیرائی حاصل ہو سکتی ہے۔ تو یہ ایک مشروط اجازت ہے اور اس شرط کے پورا ہونے پر پھر وہ احکامات خدائی احکامات نہیں رہ سکتے، یعنی یہاں پر دین کی قانونیت من حیث انه دین نہیں ہے، بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ اس کو اکثریت نے پسند کیا اور اکثریت اس پر راضی ہوئی۔ چنانچہ اسے "ڈیموکریٹک اسلام" کہا جائے گا۔

اسلم: ڈیموکریٹک (جمہوری) اسلام! یہ نام تو میں نے پہلی بار سنا؟

خالد: اس موضوع پر تو ایک مستقل کتاب موجود ہے، جس کا نام ہے: "سول ڈیموکریٹک اسلام پارٹنر ریسورسز اینڈ سٹریٹجیز"، یعنی ایک مدنی اور جمہوری اسلام اس کے لئے کام کرنے والے، اس کے منابع، اور اس کی اسٹراٹیجی۔

اسلم: یہ کتاب کس کی ہے؟

خالد: یہ ایک یہودی عورت نے لکھی ہے، اس کا نام شیریل برنارڈ ہے جو رینڈ کارپوریشن میں کام کرتی ہے، یہ عورت امریکی مہرے (زلمے خلیل زاد) کی بیوی ہے، یہودی عالمی تنظیم فری میسن کے لئے کام کرتی ہے، یہ کتاب تقریباً 70 صفحات پر مشتمل ہے، اس کتاب میں اسلام کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ "ہمیں وہ اسلام لانا چاہیئے جس کی بنیاد وحی کی بجائے عوام کی رائے اور خواہش پر ہو اور جسے عوام خود تشکیل دیں اور اس میں ترمیم و تبدیلی ہو سکتی ہو"۔

اسلم: بس! اب میں سمجھ گیا کہ پاکستان کے آئین میں جتنا بھی اسلام کا ذکر ہے یہ وہی اسلام ہے، کیونکہ آئین کی رُو سے بھی (جیسا کہ آپ نے بار بار ذکر کیا) اسلام اور اسلام کے احکامات تب ہی قانون بن سکتے ہیں جب عوامی نمائندے اسے منظور کریں اور اگر وہ منظور نہ کریں تو خدائی قانون ہونے کے باوجود وہ واجب العمل قوانین نہیں سمجھے جاتے۔

خالد: بس! یہی مسئلہ تھا ناں! اب آپ بتائیں کہ کیا پاکستان میں نافذ جمہوریت، وہ سیکولر جمہوریت نہیں ہے جو کہ دین کو اپنے ترازو پر

تولنے کے بعد اس کو قبولیت یا مسترد ہونے کی سند فراہم کرتی ہے؟اور جو اپنے قواعد اسلام پر بھی لاگو کرتی ہے؟

اور دین کے دخل دینے کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ خود حاکم ہو، اور حاکم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسے ایسا تقدس حاصل ہو کہ کوئی اسے ردّ نہ کر سکے اور ہر چیز اس کے ترازو پر تولی جاتی ہے، یعنی کسی حکم کے قانون بننے کے لئے خود دین اور اُصولِ شرع معیار ہے، اور اس کے سوا کوئی معیار نہیں ہے۔ دین کا دعویٰ یہ ہے کہ میں حق ہوں اور بس۔ یہ نہیں کہ **میں بھی حق ہوں**، جبکہ جمہوری لوگوں کے ہاں معیار دوسری چیز (اکثریت) ہے، وہ دین کو اس پر تولتے ہیں۔

اسلم: بالکل، یہاں (پاکستان میں) ایک بدترین سیکولرازم ہے، سیاسی مذہبی جماعتیں خود اسی سیکولر جمہوریت کا حصہ ہیں، حالانکہ ان کے کارکن دیواروں پر لکھتے ہیں: ''ہم سیکولر نظام نہیں مانتے''، ''ہمسیکولرازم کو نافذ نہیں ہونے دیں گے''، ''اسلام کے سوا ہر اِزم کو ہم کفر سمجھتے ہیں''۔ کیا عجیب ہیں ان کے یہ نعرے؟!

خالد: بالکل! ان کی مثال اس طوطے کی ہے (جس کا واقعہ فارسی کی ایک کتاب میں ہے) کہ ایک باغ میں طوطے جمع ہوتے تھے، شکاری لوگ انہیں بآسانی شکار کر کے باغ کے حُسن کو خراب کر رہے تھے (لیکن پہلے میں آپ کو یہ بتاؤں کہ شکاری طوطے کو کیسے شکار کرتا ہے، شکاری ایک لکڑی جیسے بانس اور نل [جس سے قلم بنایا جاتا ہے، یا وہ لکڑی جس کے اندر سوراخ ہو] میں دھاگہ ڈالتا ہے اور دونوں طرف سے وہ دھاگہ نکال کر اس کو درخت کے دو شاخوں کے ساتھ لٹکا تا ہے اور طوطے کی عادت یہ ہے کہ اس کو جھولنا بہت پسند ہے، وہ کسی ایسی شاخ پر بیٹھتا ہے جس پر وہ خوب جھول سکے، اس لئے طوطا آکر شکاری کی اُس لکڑی پر بیٹھ جاتا ہے جو در حقیقت دام ہے، لکڑی اندر سے خالی ہونے کی وجہ سے گھوم جاتی ہے، طوطا اپنے پنجہ سے لکڑی کو سختی پکڑ کر نیچے کی طرف آویزاں ہو جاتا ہے اور ڈرتا ہے کہ اگر اس نے پاؤں چھوڑ دیئے تو وہ زمین پر گر کر مر جائے گا، وہ اسی حالت میں ہوتا ہے کہ شکاری آکر اسے آسانی سے پکڑ لیتا ہے، اسی طرح شکاری اس باغ میں شکار کرتے تھے) ایک دن ایک آدمی نے سوچا کہ کیوں نہ ان بیچارے طوطوں کو اس راز سے خبردار کروں۔ وہ آیا اور ان طوطوں کو مخاطب کر کے کہا کہ میں جو کچھ کہوں تم اسے یاد کرو، چنانچہ اس نے سبق سکھانا شروع کیا کہ ہم باغ میں آئیں گے تو بیٹھنے سے پہلے دیکھیں گے کہ ''کسی نے دام تو نہیں رکھا ہے، اگر رکھا ہے تو اس پر نہیں بیٹھیں گے اور اگر بیٹھ جائیں تو پھر ڈریں گے نہیں، بلکہ پاؤں کو چھوڑیں گے اور اُڑ کر بھاگیں گے''۔

تقریباً ایک ہفتے میں طوطوں کو سبق زبانی یاد کرانے میں اُس شخص کو کامیابی ملی، لیکن ایک دن وہ شخص کہیں جا رہا تھا، کیا دیکھتا ہے کہ ایک شکاری کے پاس پنجرے میں ایک طوطا ہے جو کہہ رہا ہے کہ ''ہم باغ میں آئیں گے تو بیٹھنے سے پہلے دیکھیں گے کہ کسی نے دام تو نہیں رکھا ہے، اگر رکھا ہے تو اس پر نہیں بیٹھیں گے اور اگر بیٹھ جائیں تو پھر ڈریں گے نہیں، بلکہ پاؤں کو چھوڑیں گے اور اُڑ کر بھاگیں گے''۔ تو استاد محترم نے کہا: بس کرو! اب تو تم نے وہ کام کیا جس سے میں تمہیں منع کر رہا تھا، تم دام میں پھنس گئے ہو۔

یہ لوگ بھی اس طوطے کی طرح سیکولرازم کے جال میں پھنس کر اب لبرل جمہوریت کے پنجرے میں بند ہیں، لیکن اس طوطے کی طرح اب بھی ماشاءاللہ اپنا سبق یاد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم سیکولرازم کو نہیں مانتے اور سیکولرازم کو یہاں نافذ نہیں ہونے دیں گے۔

ایک اور قصہ سنئے کہ چند سال قبل انگریزی زبان کی عالمگیریت کے خلاف ایک احتجاج نکلا تھا،ان کے ہاتھوں میں بینرز تھے،اُن بینرز پر انگریزی زبان کے خلاف نعرے درج تھے، لیکن دلچسپ بات یہ تھی کہ اُن بینرز پر تحریر کردہ تمام نعرے انگلش میں لکھے گئے تھے، کوئی ایک بینر بھی کسی اور زبان میں نہ تھا۔

اسلم: بہت خوب! یہ مثال بالکل ان کے موافق ہے۔ جمہوریت تو میں سمجھ گیا کہ ایک کفری نظام ہے، لیکن مجھے یہ سمجھ نہیں آرہی کہ ووٹ کو الگ چیز قرار دوں یا جمہوریت کا حکم اُس پر بھی لگاؤں؟

خالد: ووٹ بمعنیٰ رائے ہے اور یہ جمہوریت کی اِکائی ہے۔

اسلم: یہ جمہوریت کی اکائی کیسے ہے؟ کیونکہ رائے تو خلیفہ بنانے کے لئے بھی لی جاتی ہے۔

خالد: لیکن وہاں پر رائے کس سے لی جاتی ہے؟

اسلم: اہل حل و عقد (جو شوریٰ ہوتی ہے، ان) سے رائے لی جاتی ہے۔

خالد: فرق تو یہ ہے کہ وہاں پر معیار اہل حل و عقد، علم اور کمال ہے اور یہاں پر محض اکثریت ہے اور وہاں پر تشکیل شدہ شخص کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے قانون کو نافذ کرتا ہے اور یہاں پر تشکیل شدہ لوگوں کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ آزادانہ قانون سازی کرتے ہیں۔

اسلم: تو کیا ووٹ دینا اور لینا ناجائز ہے؟ اور اگر ناجائز ہے تو وجہ کیا ہے؟

خالد: ووٹ دینا اور لینا ناجائز ہے، اور اس کی حرمت لعینہ اور لغیرہ دونوں ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ ووٹ دینے میں متقی و فاسق، عالم و جاہل، مرد و عورت، مسلمان و کافر سب مساوی ہیں، جبکہ ان کے مابین مساوات ماننا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسْتَوٗنَ﴾

ترجمہ: بھلا جو مومن ہو وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو نافرمان ہو؟ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ (السجدہ:18)

عالم اور جاہل کے درمیان فرق یوں بیان فرماتے ہیں: ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾

ترجمہ: بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ (الزمر:9)

اور مرد و عورت کے درمیان فرق یوں بیان فرماتے ہیں: ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾

ترجمہ: مرد عورتوں پر حاکم و مسلط ہیں، اس لئے کہ اللہ نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے۔ (النساء:34)

اور کفر اور اسلام تو کسی صورت برابر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی مختلف مثالیں دی ہیں، جیسا کہ فرماتے ہیں: ﴿اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ﴾

ترجمہ: کیا اندھیرے اور اُجالا برابر ہو سکتے ہیں؟ (الرعد:16)

﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ

اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾(الزمر:29)

ترجمہ: اللہ ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ ایک شخص (غلام) ہے جس میں کئی (آدمی) شریک ہیں (مختلف المزاج اور) بدخو اور ایک آدمی خاص ایک شخص کا (غلام) ہے، بھلا دونوں کی حالت برابر ہے؟ (نہیں) الحمد للہ! بلکہ اکثر لوگ نہیں جانتے۔

یہ تو ووٹ کے دوران ہوتا ہے، یہ ووٹ کی اپنی حیثیت ہے، لیکن ووٹ کے بعد جو نظام تشکیل دیا جاتا ہے اس نظام کی تفصیل تو ہم نے ذکر کر دی کہ وہ لبرل جمہوریت ہے، جو قانون سازی کا مطلق اختیار اراکینِ پارلیمنٹ کو دیتی ہے اور یہ حرام و کفر ہے۔

اسلم: لیکن کیا سبب پر وہ حکم لگایا جاتا ہے جو مسبَّب کا ہوتا ہے؟

خالد: جی ہاں! جب سبب قریب ہو اور اس کے بغیر مسبب کا موجود ہونا مشکل ہو تو اس وقت مسبب کا حکم سبب کو منتقل ہو جاتا ہے (تفصیل کے لئے شاطبیہ دیکھئے) اور ووٹ جمہوریت کے لئے سبب قریب نہیں بلکہ سببِ اَقرب ہے اور اس کے بغیر تو موجودہ جمہوریت (جس کو ''جمہوریت نائبہ'' بھی کہا جاتا ہے) ممکن نہیں ہے، بلکہ اگر میں یہ کہوں تو غلط نہیں ہو گا کہ ووٹ آج کل جمہوریت کے لئے بمنزلہ علتِ جعلی ہے، اس لئے کہ اس کے بغیر امکان نظر نہیں آتا۔

دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے جب زنا حرام کیا تو اس کے ساتھ دواعیٔ زنا اور اس کے مقدّمات کو بھی حرام کیا (جیسا کہ کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونا، عورت کا اپنی زینت کی نمائش کرنا، مردوں کے لئے اجنبی عورت کو دیکھنا وغیرہ) اور اللہ تعالیٰ نے جب شراب کو حرام کیا تو اس کے ساتھ ساتھ بنانے والے، پلانے والے اور خرید و فرخت کرنے والے سب پر لسانِ نبوت سے لعنت فرمائی: "لعن الله الخمر وشاربها وساقيها وبائعها ومبتاعها وعاصرها ومعتصرها وحاملها والمحمولة إليه".(ابوداؤد، حدیث:3676)

ترجمہ: اللہ لعنت کرتا ہے، شراب پر، اس کے پینے والے پر، اس کے پلانے والے پر، اس کے فروخت کرنے والے پر، اس کے خریدنے والے پر، اس کا رَس نکالنے والے پر، اس کا رَس نکالنے کو طلب کرنے والے پر، اس کو اٹھانے والے (لیجانے والے) پر اور اس شخص پر جس کی طرف یہ شراب لیجائی جائے۔(ابوداؤد، حدیث:3676)

اسی طرح ربا (سود) کے بارے میں بھی لعنت وارد ہے۔

اسلم: لیکن اگر کوئی کسی شخص کو ووٹ دے وہ تو ایک خود مختار بندہ ہوتا ہے، پھر وہ جانے اور اس کا کام جانے، فقہ کا مشہور قاعدہ ہے کہ جب کسی چیز پر حکم مرتب کرنے کے لئے فعلِ مختار درمیان میں آتا ہے تو سبب پر حکم لاگو نہیں ہوتا، مثال کے طور پر کوئی بندہ انگور بیچتا ہے اور دوسرا شخص خرید کر اس سے شراب بناتا ہے، تو انگور بیچنے والے کا اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

خالد: نہیں بھائی! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠﴾

ترجمہ: اور (دیکھو) نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم و زیادتیمیں مدد نہ کیا کرو۔(المائدہ:2)

کسی کے ساتھ گناہ کے اسباب میں مدد کرنا گناہ ہی ہے۔ ووٹ کو انگور بیچنے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، اس لئے کہ یہاں پر یہ بات پہلے سے معلوم ہے کہ جو ووٹ دیا جاتا ہے وہ جمہوریت کو مستحکم کرنے کے لئے اور جمہوری اصول کے مطابق بدونِ فرق بین الفاسق والفاجر اور بین المسلم والکافر دیا جاتا ہے، لہٰذا آج کل ووٹ کے نظام کو دیکھ کر ووٹ پر حکم لگایا جائے گا، نہ کہ بس فقط رائے کا نام

دے کر حکم لگایا جائے، رائے کا نام دے کر اس کو جائز قرار نہیں دیا جاسکتا، جبکہ اس کے لئے اصول وضوابط اور قواعد سارے کے سارے معلوم ہیں، بلکہ اس مسئلے کو اگر دوسری صورت پر قیاس کیا جائے تو مناسب ہوگا۔ دیکھو! اسلحہ بیچنا ایک حلال اور جائز کاروبار ہے، لیکن فتنہ کے وقت باغیوں کے ہاتھ اسلحہ فروخت کرنا حرام ہے، اگرچہ بغاوت میں اس اسلحہ کے استعمال میں فاعلِ مختار کا دخل ہے۔

اسلم: لیکن اگر ہم اس سے قطع نظر ووٹ دے دیں کہ جمہوریت ہے اور پارلیمنٹ کا حکم کیا ہے؟

خالد: بھائی صاحب! شرعی احکامات (یعنی کسی چیز کا کفر واسلام، حرمت وحلت، جواز وعدم جواز) کوئی فرضی اور اعتباری اشیاء تو نہیں ہیں، کہ اگر کوئی اسلام فرض کرے تو اسلام ہوگا اور اگر کوئی کفر فرض کرے تو کفر ہوگا، اور کوئی حرام فرض کرے تو حرام ہوگا اور اگر کوئی اس چیز کو حلال فرض کرے تو حلال ہوگا، بلکہ یہ تو نفس الامری حقائق اور واقعی احکامات ہیں جو کسی معتبِر کے اعتبار اور مفترِض کے افتراض (فرض کرنے) سے تبدیل نہیں ہوتے، اگر میں دن کو آنکھیں بند کرکے فرض کروں کہ رات ہے، تو کیا اس سے دِن رات میں تبدیل ہو جائے گا یا بالعکس، ہرگز نہیں۔ شرعی احکامات کو منطقی مفروضوں کی طرح فرضی اور اعتباری حیثیت دینا تو شریعت کے ساتھ مذاق ہے۔

اسلم: تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اچھی نیت کا رکھنا یہاں پر مفید نہیں؟

خالد: میرے پیارے بھائی! عمل کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے: ایک اس کی ''لمیت'' (یعنی عمل کو انجام دینے کی وجہ) اور ایک اس کی ''کیفیت'' (یعنی یہ کام کیسے سرانجام دیا گیا) دونوں کا اہتمام بہت ضروری ہے، ان میں اگر ایک بھی خراب ہو تو عمل برباد ہے۔ اگر "لم" صحیح نہ ہو (یعنی نیت ٹھیک نہ ہو) عمل اللہ کے لئے نہیں، بلکہ ریاد کھاوے وغیرہ کے لئے کیا جائے تو بھی برباد ہے، اسی طرح نیت تو ٹھیک ہو مگر کیفیت غلط ہو تو بھی عمل مقبول نہ ہوگا (یعنی نبوی طریقے کے خلاف ہو تو بھی برباد اور بے سود ہے) مثال کے طور پر (نعوذ باللہ) کوئی شراب کی محفل اس لئے قائم کرے کہ اس میں شرابی آئیں گے تو میں ان کو شراب چھوڑنے کی دعوت دوں گا۔ دعوت کے لئے یہ طریقہ استعمال کرنا حرام ہے، اگرچہ نیت دعوت کی ہو (جو کہ ایک صالح اور ٹھیک نیت ہے)۔ اگر ایسے شخص (جو شراب کی محفل برائے ترکِ شراب اور برائے دعوتِ دین بناتا ہے) کو دعوت دی گئی اور پھر بھی وہ اس عمل کو نہیں چھوڑتا تو فقہاء کے یہاں ایسا شخص قتل کیا جائے گا، اگرچہ خود شرابی قتل نہیں کیا جاتا، لیکن یہ دوسرا شخص (جو محفل منعقد کراتا ہے، وہ) اس کو دین کی نیت سے منعقد کرتا ہے، اس لئے یہ جائز نہیں ہے، بلکہ اس میں اس کے ایمان کا خطرہ ہے۔ درست نیت رکھنے سے غلط کام کا درست ہونا موجودہ نظام کا نعرہ ہے، ان کا مشہور نعرہ ہے: الغاية تبرر الوسيلة (یعنی اگر مقصود اچھا ہو تو طریقہ، وسیلہ اور ذریعہ جو بھی استعمال کیا جائے وہ ٹھیک ہے) لیکن شریعتِ الٰہی میں ایسا نہیں ہے۔

اسلم: مطلب یہ ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم اسمبلی جاکر کلمۂ حق بلند کریں گے، یہ طریقہ اپنانا ٹھیک نہیں؟

خالد: جی ہاں! اس کی مثال وہی ہے جو میں نے ذکر کی، اور ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھیں کہ کفار کتنے مکار ہیں جو کہتے ہیں کہ اگر کوئی تبدیلی لانا چاہیں تو جمہوریت کا راستہ کھلا ہے۔ اگر کوئی اسلام لانا چاہتا ہے تو جمہوریت کے راستے سے لائے۔ اگر کفار کسی غیر جمہوری طریقے سے بات سننے کو تیار نہیں (یعنی وہ اتنے بنیاد پرست ہیں کہ جمہوریت کے سوا کچھ بھی نہیں مانتے) تو ہم کیسے ان کے لئے اتنے نرم ہو جائیں کہ اپنے دین کا صحیح طریقہ چھوڑ کر ان کے دین کا غلط راستہ اختیار کرلیں۔

اسلم: لیکن یہ لوگ کہتے ہیں کہ انتخابات تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لئے بھی ہوئے ہیں، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں موجود لوگوں سے رائے لی تھی؟

خالد: سبحان اللہ! کیا وہ جمہوری انتخابات تھے کہ کثرت رائے سے اس میں فیصلہ ہوا یا اہل حل وعقد حضرات سے رائے لی گئی تھی۔ اگر وہ جمہوری انتخابات ہوتے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ بننے میں کئی سال لگتے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں تو فتوحات اتنی زیادہ ہوئیں تھیں کہ کئی لاکھ مربع میل پر خلافتِ اسلامیہ کا علم لہرا رہا تھا، اس دوران صرف اہل مدینہ سے رائے لینے کا کیا مطلب؟ حالانکہ مدینہ منورہ کا رقبہ اُس وقت بہت ہی مختصر تھا، ایک رات جب خطرہ محسوس ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود گھوڑے پر سوار ہو کر چند لمحوں میں مدینہ کے ارد گرد چکر لگا کر واپس آئے اور لوگوں کو تسلی دی کہ سو جاؤ کچھ بھی نہیں ہے۔ اتنی وسیع و عریض خلافت کی زمین میں صرف اہل مدینہ سے رائے لی گئی اور اس پر فیصلہ کیا گیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انتخاب کثرتِ محضہ پر نہیں، بلکہ اہل حل وعقد کی رائے سے ہوا تھا، اور وہ اس لئے کہ اہل مدینہ چونکہ صحبتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحبتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین دونوں میں رہے تھے اور وہاں پر ہر وقت احادیث نبویہ کا درس ہوتا تھا، اس لئے وہ اہلِ کمال اور اہلِ حل وعقد تھے اور اگر آپ کا مطالعہ ہے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ فتاویٰ میں اور احادیث کے اسناد میں اہل مدینہ کی بڑی شان ہے۔

اسلم: بالکل! لیکن اگر لوگ یہ کہیں کہ اس وقت چونکہ دوسرے علاقوں کی جانب وفود بھیجنا مشکل تھا، اس لئے اہل مدینہ کی رائے پر اکتفاء کیا گیا؟

خالد: کیسے مشکل تھا؟ جبکہ خلیفہ یہاں سے تمام علاقوں کو کنٹرول کرتا تھا، مدینہ منورہ ہی سے امراء کے تبادلے ہوتے تھے، معزول شدہ گورنر واپس آتے تھے اور نئے مقرر شدہ ولایت جاتے تھے، اگر اتنا مشکل ہوتا تو پھر تو حکومتی انتظام چلانا مشکل تھا، وہ اس وقت کر سکتے تھے کہ ایک نگران حکومت مقرر کر کے تمام وُلاۃ (گورنروں) کو پیغام بھیجتے کہ تم الیکشن کرا کے تمام لوگوں کی رائے اتنی مدت میں یہاں (مدینہ) بھیج دو، تاکہ کثرتِ رائے دیکھ کر ہم فیصلہ کریں۔ اور پھر یہ بھی دیکھیں کہ مدینہ میں رائے لیتے وقت کوئی ایک بھی ایسی دلیل نہیں کہ انہوں نے کسی ذمی کافر سے رائے لی ہو۔

اسلم: بالکل، کیونکہ خلافت کا قیام تو مسلمانوں کی ذمہ داری ہے، غیر مسلموں کا اس میں کیا کام ہے؟

خالد: اور یہاں (پاکستان) میں؟

اسلم: بالکل یہاں پر تو غیر مسلموں سے صرف یہ نہیں کہ رائے لی جاتی ہے، بلکہ ان کی رائے باقاعدہ مسلمانوں کی رائے کے برابر سمجھی جاتی ہے۔ (بلکہ دیکھا جائے تو پاکستان میں غیر مسلموں کی رائے مسلمانوں کی بنسبت اہم ہے، کیونکہ پاکستانی جمہوریت میں سیاسی جماعتوں پر لازم ہیں اقلیتی (کافر) اُمیدوار نامزد کر کے ان کی رائے حاصل کریں)

خالد: تو پھر یہ قیاس مع الفارق کہاں سے وہ لائے ہیں؟

اسلم: بالکل یہ ایک باطل قیاس ہے جو انہوں نے اپنی طرف سے گھڑا ہے، کتبِ فقہ میں کہیں بھی اس کا وجود نہیں۔ لیکن اس نظام سے

بچنے اور اس کفری نظام کے خاتمے کے لئے اب ہمیں کیا کرنا ہوگا؟

خالد: میرے بھائی! جب یہ نظام ایک کافرانہ اور جاہلی نظام ہے، اس کے اصول بھی اور اس کے فروع بھی، تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس سے اعلانِ براءت کریں، جیسا کہ بار بار ہم نے بتایا کہ لا الہ الا اللہ کا پہلا حرف "لا" تمام معبودانِ باطلہ، ان کی عبادت، ان کے طریقۂ عبادت اور ان کے عابدین سے براءت، انکار، عداوت اور بغض کا اعلان کرتا ہے۔ دیکھیے! ابراہیم علیہ السلام کیا فرماتے ہیں:

﴿إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا﴾

ترجمہ: ہم تم سے اور ان (بتوں) سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو بے تعلق ہیں (اور) تمہارے (معبودوں کے کبھی) قائل نہیں (ہو سکتے) جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ ہم میں اور تم میں ہمیشہ کھلم کھلی عداوت اور دشمنی رہے گی۔ (ممتحنہ: 4)

اولاً بمقتضیٰ "لا" براءت کا اعلان کرتے ہیں، اعلانِ براءت میں سب سے پہلے عابدین سے براءت کا اعلان کرتے ہیں اور پھر معبودین سے، تاکہ یہ شبہہ کوئی نہ کرے کہ بس میں تو ان کے معبود اور عبادت (باطل نظام) سے بری ہوں، لیکن ان کے جو اہلکار اور عابدین ہیں ان سے تو تعلق رکھوں گا، اس لیے ابوالانبیاء (ابراہیم) علیہ السلام نے اولاً پہل ان سے کی، پھر معبودین کا ذکر فرمایا، پھر طریقۂ عبادت، ان کے دین، نظام اور عقیدے سے انکار کیا اور فرمایا ﴿كَفَرْنَا بِكُمْ﴾ اور پھر اس کے بعد فقط عقیدے سے انکار اور براءت پر اکتفا ہی نہیں کیا، بلکہ بغض اور عداوت کا اعلان کیا اور پھر عداوت اور دشمنی کو بغض پر مقدّم کیا، تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ میرا تو بغض ہے لیکن دشمنی کی کیا ضرورت اور پھر اس میں ﴿أَبَدًا﴾ کا لفظ لایا ہے، اتنا کافی نہیں کہ صرف بغض اور عداوت ہو، بلکہ وہ بغض اور عداوت کو ظاہر کرے گا، تاکہ ایسا نہ ہو کہ کوئی یہ کہے کہ میرا تو بغض ہے لیکن دل کے اندر رہے۔ لہٰذا میرے بھائی! اگر آپ اس نظام سے براءت کرتے ہیں تو اس کے تمام طور طریقوں سے، اس کے تمام اہلکاروں سے براءت کرنا ضروری ہے، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اہلِ باطل سے مشابہت کو بھی منع فرمایا ہے: "من تشبّہ بقوم فھو منھم"۔

ترجمہ: جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہوگا۔ (ابوداود، حدیث: 4033)

اور ووٹ تو فقط مشابہت ہی نہیں، بلکہ ان کا طریقۂ اقامتِ نظام ہے، اور صرف دوستی ہی نہیں بلکہ معاونت ہے، لہٰذا آپ کو اس نظام سے، ووٹ دینے سے، ووٹ لینے سے اور اس کے لئے دعوت چلانے سے سب سے توبہ کرنا ضروری ہے۔

اسلم: جی ہاں! آپ نے میری رہنمائی کی، میں ہمیشہ کے لئے آپ کا احسان مند رہوں گا اور آج میں اپنے رب سے وعدہ کرتا ہوں اور آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ آج سے میں اس نظام سے مکمل بری ہوں اور میں اس نظام کو کسی طور اسلامی نظام تسلیم نہیں کرتا، بلکہ میں اس کو ایک باطل کفری نظام مانتا ہوں اور اس نظام سے میں دل کی گہرائیوں سے بغض رکھتا ہوں اور جتنا مجھ سے ہو سکے میں اس کے خلاف جدوجہد کروں گا۔ آپ اس پر گواہ رہیں، لیکن میرے دل میں ایک سوال ہے کہ کیا یہاں پر مسلح خروج جائز ہے؟ جبکہ خروج علی الامام کے لئے تو بہت سی شرائط ہیں۔

خالد: ماشاءاللہ! بھائی اسلم! آپ نے بہت عجیب موضوع چھیڑا، میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ کیا کسی شخص کے امام بننے کے لئے اسلام میں کچھ شرائط ہیں یا نہیں؟

اسلم: شرائط ہیں، جو کتبِ فقہ میں مذکور ہیں جن میں امام کا مسلمان ہونا، مرد ہونا اور عادل وغیرہ ہونا شامل ہیں۔

خالد: اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا ہم پر مسلط حکمران طبقہ مسلمان ہو سکتا ہے جبکہ وہ جمہوریت، سوشلزم اور لبرل ازم کے علمبردار ہیں؟

اسلم: نہیں؟ کسی شخص کا سوشل یا لبرل یا سیکولر ہونا تو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ شخص مسلمان نہیں ہے۔

خالد: ماشاءاللہ! جب یہ لوگ خود سیکولر ہونے کا نعرے لگاتے ہیں تو یہ مسلمان کیسے ہوئے؟ اور جب مسلمان نہ ہوئے تو امام کیسے بنے؟ جبکہ "إذا فات الشرط فات المشروط" مشہور قاعدہ ہے۔

اسلم: بالکل، یہ مسلمانوں کے امام نہیں بن سکتے۔

خالد: جب امام نہ ہوئے تو اب سنیے! کہ خروج علی الإمام وجودِ امام کی فرع ہے، فقہاء نے خروج علی الإمام کے لئے جو صفات بطورِ شرائط بیان کی ہیں وہ تو "امام" کے خلاف خروج کرنے کے لئے ہیں، اور جب سرے سے کوئی امام ہی نہیں تو حکمرانوں کے خلاف قیام اور اُن کے خلاف جنگ کو خروج علی الإمام کہنا درست نہیں، چہ جائیکہ کہ اس کے لئے ان شرائط کی ضرورت ہو جو خروج علی الإمام کے لئے ضروری ہیں۔

اسلم: بھائی! کمال ہوا، ہم تو یہاں پر خروج علی الإمام کی شرائط تلاش کرتے تھے، لیکن وہ تو سرے سے امام ہی نہیں بنے۔

خالد: اسی طرح آپ کو معلوم ہو گا کہ جو اشخاص اور پارٹیاں عرصۂ دراز سے ملک میں یکے بعد دیگرے بر سر اقتدار آتیں ہیں، ان پارٹیوں نے اپنے اپنے دورِ اقتدار میں کسی نہ کسی طریقے سے شریعت کو ٹھکرایا ہے۔

اسلم: بالکل معلوم ہے، نواز شریف نے تو اپنے دورِ اقتدار میں سود کے خلاف فیصلے کو سپریم کوٹ میں چیلنج کیا تھا۔

خالد: بس! فیصلہ اب آپ پر ہے کہ (ماشاءاللہ) آج کل ہمارا نام نہاد امام وہ شخص ہے جس نے سود جیسی لعنت کو ہمیشہ کے لئے ہم پر مسلط کیا اور جس نے اللہ اور اُس کے رسول کے خلاف جنگ کو قانونی تحفظ دیا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ جو شخص شرعی احکامات کو چیلنج کرتا ہو شریعت کی نظر میں وہی مسلمانوں کا امام ہو؟!

محکوم کے الہام سے اللہ بچائے — غارت گرِ اقوام ہے وہ صورتِ چنگیز
آہ! اے مردِ مسلماں تجھے کیا یاد نہیں — حرف لا تدع مع الله إلها آخر

اسلم: نعوذ باللہ! اللہ تعالی پاکستانی قوم کی حالت پر رحم فرمائے۔

خالد: آمین! خدارا! مظلوم مسلمانوں کے زخموں پر نمک پاشی سے باز آؤ، کیا یہ انصاف ہے کہ کوئی قوم کے بیٹے کو گرفتار کر کے اس کو کافر دشمن کے حوالے کرے، کوئی کافروں کے اشاروں پر مسلمانوں پر بمباری کرے؟ اور آپ اس قوم کے نوجوانوں کو یہ قناعت دیتے پھریں کہ اس کے خلاف خروج نہیں کرنا، یہ آپ کا امام ہے۔

اسلم: لیکن امتِ مسلمہ کی ایک بڑی تعداد کو تو بہت سے ظالم اُمراء نے قتل کیا ہے، مگر پھر بھی وہ مسلمانوں کے امام کہلاتے ہیں؟

خالد: ایک ہے مسلمانوں کو مارنا، ذاتی یا بعض سیاسی اغراض کی وجہ سے، اور ایک ہے ان کو مارنا کفار کے اشاروں پر، ان دونوں میں فرق ہے، کیا

یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ ہم ڈاکٹر عافیہ صدیقی (فكّ الله أسرها) کو گرفتار کرنے والوں اور اس کو امریکی کفار کے حوالہ کرنے والوں کو امام کہہ کر اُن کے خلاف قیام اس لئے نہ کریں کہ یہ ہمارے امام ہیں، اگرچہ انہوں نے ہماری بہن کو ہمارے دشمنوں کے حوالہ کیا ہے۔(نعوذ باللہ)

اسلم: معاف کیجئے، غلطی ہوئی۔

خالد: اب جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ عدالت بھی ان شرائط میں سے ہے جو امامت کے لئے شرط ہے، آپ سے پوچھتا ہوں کہ عدالت سے کیا مراد ہے؟

اسلم: مراد یہ ہے (جیسا کہ فقہاء نے ذکر کیا ہے) کہ فاسق نہ ہو۔ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: "وأجمع العلماء علىٰ أن الإمامة لا تنعقد لفاسق، ولو طرأ عليه الفسق لا ينعزل".

ترجمہ: اور علماء نے اتفاق کیا ہے کہ (ابتداءً) فاسق شخص کے لئے امامت کا انعقاد نہیں ہوتا، البتہ اگر بعد میں وہ شخص فسق کا ارتکاب کرے تو وہ معزول نہیں ہوگا۔

خالد: اب آپ کا کیا خیال ہے کہ یہ لوگ فاسق نہیں؟

اسلم: فاسق تو ہیں، لیکن فسق تو ابتداء میں مانع عن الامامت ہے، جیسا کہ فقہاء نے ذکر فرمایا ہے، نہ کہ بقاء میں، یعنی امام بناتے وقت شرط یہ ہے کہ وہ فاسق نہ ہو، لیکن امام بننے کے بعد فاسق ہونے سے معزول نہیں سمجھا جائے گا۔

خالد: ماشاءاللہ! آپ نے بالکل قیمتی بات کہی، لیکن یہاں دو باتیں ہیں: ایک بات ہے فسق کی اقسام وانواع کی (فسق بعض مراتب میں بقاءً بھی مانع عن الامامت اور موجبِ عزل ہے، لیکن وہ بات میں بعد میں بیانکروں گا، پھر مجھے یاد دلانا) لیکن یہاں پر میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ کیا یہ لوگ ابتداءً فاسق نہ تھے؟ (یعنی صدر اور وزیر اعظم بنتے وقت یہ فاسق نہیں تھے؟)

اسلم: اتفاقی اور اجماعی طور پر فاسق ہوتے ہیں، لیکن مجھے ایک خدشہ ہے، وہ یہ کہ آج کل کے دور (جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شر القرون قرار دیا ہے، اس) میں عادل حکمران آپ کہاں سے لائیں گے؟ یہی وجہ ہے کہ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی نے دورِ حاضر میں اس شرط کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ کم از کم اس جیسا یا اس سے بہتر کوئی نہ ہو، تو پھر اس کی امامت منعقد ہو جاتی ہے۔

خالد: ماشاءاللہ! یہی تو ہمیں مطلوب ہے، کیا پاکستان میں بے نظیر، نواز شریف، پرویز اور زرداری سے تقویٰ، ورع اور دین داری میں کوئی بہتر موجود نہیں؟

اسلم: کیوں نہیں! بھائی! اس ملک میں تو بڑے بڑے اولیاء اتقیاء موجود ہیں۔

خالد: پھر تو فقہاء نے اس شرط کے بارے میں جس گزارے سے کام لیا ہے وہ موجودہ حکمرانوں کے علاوہ افراد میں بخوبی موجود ہے تو ان کے بنانے کی ضرورت ختم نہ ہوئی؟ حالانکہ قاعدہ یہی ہے: "ما أبيح للضرورة يتقدر بقدرها".

ترجمہ: جو ضرورت کی وجہ سے جائز ہو جائے وہ ضرورت کے مطابق جائز ہوگا۔(مجلة الأحكام العدلية، مادة: 22)

اور جب ضرورت ختم ہوگئی تو ان کی امامت (جسے از روئے ضرورت جائز ہونا چاہئے تھا، وہ) بھی ختم ہوگئی اور یہ امام نہیں بنے، اور جب امام نہیں بنے تو ان کے خلاف لڑنا کسی بھی صورت خروج على الإمام نہیں۔

اب میں آپ کے سامنے ایک اور چیز بیان کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ امام تو پوری دنیا کے لئے ایک ہوتا ہے، حدیث میں ہے: "إذا بويع لخليفتين فاقتلوا الآخر منهما".

ترجمہ: جب دو شخصوں کے لئے بیعتِ خلافت شروع ہو جائے تو دوسرے کو قتل کرو۔(صحیح مسلم حدیث 1853)

اب آپ اسلامی دنیا میں اتنے سارے اماموں کو کیا شرعی جواز دیں گے، جبکہ فقہاء فرماتے ہیں: إذا بويع لخليفتين لم يعهد لواحد منهما.

ترجمہ: جب ایک وقت میں دو شخصوں کے لئے بیعتِ امامت شروع ہو جائے تو ان میں سے ایک کے لئے بھی انعقادِ خلافت نہ ہو گا۔

اسلم: لیکن ''اسلام اور سیاسی نظریات'' (جو کہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی کتاب ہے، اس) میں یہ عبارت نقل کی ہے کہ بعض فقہاء نے رابطے کی مشکلات اور علاقوں کی دوری کی وجہ سے تعدّدِ ائمہ کی اجازت دی ہے۔

خالد: جی صاحب! لیکن اب تو ایک اہم سوال یہی ہے کہ پاکستان اور افغانستان کے درمیان رابطہ کتنا مشکل ہے؟ اگر خلفائے راشدین کے ادوار میں لاکھوں مربع میل پر پھیلے ملک کو ایک امام کنٹرول کر سکتا تھا، تو آج کیسے تعدّدِ ائمہ کی ضرورت پڑی ہے؟ جبکہ آج تو دنیا ایک گلوبل ویلیج کی حیثیت رکھتی ہے، پوری دنیا ایک گاؤں کی مانند بن گئی ہے۔ اگر اقوامِ متحدہ جیسے ملعون ادارے کے تحت پوری دنیا جمع ہو سکتی ہے تو بہترین مواصلاتی نظام کے ہوتے ہوئے تمام مسلم ممالک ایک مرکز تلے کیسے جمع نہیں ہو سکتے؟

اسلم: جی ہاں! یہ یقینی بات ہے کہ فقہاء نے جو اجازت دوسرے امام کی دی ہے وہ بھی ایک ضرورت کے تحت دی ہے اور ضرورت کے ارتفاع سے وہ حکم بھی مرتفع ہو جاتا ہے جس کا ترتب ضرورت پر ہو، لہٰذا معلوم ہوا کہ حکم اصلی راجع ہے اور وہ ہے عدم انعقادِ امامت۔

خالد: اور اگر بالفرض انعقادِ امامت مان لیا جائے تو میں پوچھتا ہوں کہ آج کل جو شخص مسلمانوں کا حکمران ہے وہ خلیفہ کے درجے کا امام ہو گا (اور اس کے حکام کی مثال گورنرز اور وُلاۃ کی ہو گی) یا نہیں؟ اگر امام ہے تو کون ہے؟ (صدر یا وزیر اعظم یا پارلیمانی لیڈر یا عوام؟) اور اگر نہیں تو جب خود اُن کا امیر نہیں ہے تو اگر ہم ان کو امیر نہ مانتے ہوئے خلافت کے قیام کے لیے ان کے خلاف جنگ کریں تو کیا حرج ہے؟ اسی طرح جب ان کا کوئی ایک خلیفہ و امام نہیں، بلکہ ہر ایک مستقل امام ہے تو دو اماموں کے عدمِ انعقاد کی بناء پر ان کی امامت منعقد نہیں، اور جب انعقاد نہیں ہوا تو ہمارا قیام ان کے خلاف خروج على الإمام نہیں، اور جب خروج على الإمام نہیں تو یہ جنگ ان شرائط کی بھی محتاج نہیں جو خروج على الإمام کے لئے بیان کی جاتی ہیں۔

اسلم: ابھی آپ فسق کی وہ قسم بیان کریں ناں، جس کے طاری ہونے کی وجہ سے امام امام معزول ہو سکتا ہے؟

خالد: جی ہاں! وہ فسق کی وہ قسم ہے جسے فسق متعدی کہا جاتا ہے، جس میں رعیت کو گناہ پر مجبور کرنا بھی ہے، اور آج اس کی ایک مثال ان وضعی قوانین پر اُمت کو مجبور کرنا اور اس پر عمل نہ کرنے کی صورت میں ان کو مختلف سزائیں دینا ہے۔ (تفصیل کے لئے ﴿لَا يَنَالُ عَهۡدِي الظّٰلِمِيۡنَ﴾ کے تحت تفسیر جصاص دیکھئے اور تكملة فتح الملهم اور اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا رسالہ جزل الكلام في عزل الإمام)

اسلم: ٹھیک ہے بھائی! میرا دماغ اس موضوع پر بالکل کھل گیا۔

خالد: لیکن مزید سنئے! ہم جس مسئلے کو بیان کر رہے ہیں (یعنی خروج علی الإمام) آج کل اس مسئلے کا سرے سے وجود نہیں۔ تو اس کی شرائط کی تطبیق موجودہ حالات پر کرنا درست نہ ہوگا، آپ سمجھ گئے؟

اسلم: جی! میں سمجھ گیا، اس لئے کہ امامت کا انعقاد نہیں ہوا، کیونکہ انعقادِ امامت کی شرائط مفقود ہیں۔

خالد: یہ بات تو ٹھیک ہے، لیکن ایک اور بات بھی ہے، اگر ہم اس جنگ کو خروج بھی کہیں تو یہ خروج علی الإمام نہیں، بلکہ یہ خروج علی النظام ہے۔

اسلم: وہ کیسے؟

خالد: اس طرح کہ جدید نظام اور شریعت میں آپ کے سامنے ایک فرق بیان کرتا ہوں، وہ یہ کہ خلافتِ اسلامی یا ملوکیت میں تو ایک حقیقی شخص ہوتا ہے (جو لوگوں کا سربراہ ہوتا ہے، جس کو امام یا امیر یا بادشاہ یا سلطان وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں) لیکن جدید نظام میں ریاست ایک ایسی اصطلاح ہے جو فرضی چیز ہے، جس کا کوئی خارجی وجود نہیں، انہوں (جمہوریوں) نے عجیب دھوکہ دیا ہے، امام جو بھی ہو لیکن سٹیٹ وریاست کے خلاف خروج ممنوع ہے۔ اب جب سٹیٹ اور ریاست کے خلاف خروج ممنوع ہے تو کسی صورت بھی (چاہے آپ کے اوپر کوئی بھی صدر یا وزیر اعظم بن جائے) آپ اس کے خلاف اُٹھ نہیں سکتے۔ اس فرضی شخص کو اتنی حیثیت دی گئی ہے کہ اس کے خلاف خروج حرام قرار دیا گیا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ مُعاصر مجاہدین نے بھی کسی خاص شخص کے خلاف علمِ جہاد بلند نہیں کیا ہے، بلکہ وہ نظام کے خلاف برسرِ پیکار ہیں۔ چنانچہ مجاہدین اپنی تقریر و تحریر میں اس نظام کا فساد اور کفر و بطلان بیان کرتے ہیں، اور اسلامی نظام کا نعرہ بلند کیے ہوئے نظر آتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ چہروں کی تبدیلی سے یہ جنگ بند نہیں ہوئی۔ مشرف، زرداری اور نواز تبدیل ہوئے لیکن جنگ بدستور جاری ہے۔

یہاں ایک حکومت ہے اور ایک ریاست، حکومت تو ریاست کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے نہ کہ پوری ریاست۔ ''ریاست کا معنی نظامِ اقتدار یا نظامِ اطاعت و جبر ہوتا ہے، جبکہ حکومت محض اس کا ایک جزو ہے نہ کہ کل ریاست۔ نظامِ اقتدار کا دائرہ خاندان سے لے کر حکومت تک پھیلا ہوتا ہے، جس میں نظامِ تعلیم، معاشرتی تعلقات کی حدبندیاں، نظامِ تعزیر، قضاء، حسبہ اور انہیں نافذ کرنے والے ادارے وغیرہ سب شامل ہوتے ہیں، جن میں ایک اہم مگر جزوی ادارہ حکومت ہے''۔ (عصر حاضر میں خروج کا جواز اور شبہات کا جائزہ)

یہاں پر پوری ریاست اسلام کی ضد ہے، اور خروج اس کے خلاف ہے نہ کہ فقط حکومت کے، کہ کوئی غیر مسلح طریقے سے صرف حکومت کا نقشہ تبدیل کرے گا تو پوری ریاست اور پورا نظام تبدیل ہو جائے گا، ایسا نہیں۔

بہرحال! یہاں پر ہم نے متبوع (جو کہ نظام ہے، اس) کے خلاف خروج کیا ہے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ ہم نے نظام (جس کا تابع حکمران بھی ہے، اس) کے خلاف خروج کیا ہے، اور ہم نے حکمران (جو نظام کا تابع ہے) کے خلاف خروج اولاً نہیں کیا ہے، بلکہ وہ ثانوی درجہ میں ہے۔ اصل میں جو بات امام کے خلاف خروج کی ہے (جس میں جواز اور عدمِ جواز کا اختلاف ہے اور پھر اختلاف حالات ہیں، بعض مُجوّز، بعض مُوجِب اور بعض مُحرِّم ہیں) وہ ایسی صورت میں ہے جب نظام اسلامی ہو، البتہ امام سے شخصی طور پر کوئی مانع عن الإمامت امر صادر ہو جائے، جیسا کہ فسق، ظلم اور کفر وغیرہ، اور وہ اعمال (فسق، ظلم اور کفر وغیرہ) اس کی ذات تک محدود ہوں، تو ایسی

صورت میں مصالح و مفاسد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بعض اوقات خروج کا جواز ہوتا ہے اور بعض اوقات عدمِ جواز ہوتا ہے، چونکہ سب سے بڑی مصلحت اسلامی نظام کا ڈھانچہ ہے۔ تو اگر امام کا شخصی عمل اتنا عظیم جرم ہو کہ اس کے ازالے کے لئے وہ ڈھانچہ بھی وقتی طور پر ختم ہونا پڑے تو کوئی بات نہیں، البتہ اگر اس کا جرم اتنا بڑا نہ ہو کہ اس کے لئے وہ قائم ڈھانچہ ختم کیا جائے تو پھر اس صورت میں خروج ممنوع ہو گا۔

یعنی جو رعایت کی جاتی ہے وہ اس ڈھانچے کی کی جاتی ہے، اب اگر وہ ڈھانچہ خود ہے ہی نہیں اور خود حکمران ایک ایسے دستور اور نظام کا تابع ہے جو کہ اسلامی ڈھانچے کا مخالف ہے تو پھر اس کے خلاف خروج واجب ہے۔ اگرچہ بادشاہ اور امام کتنا ہی متقی کیوں نہ ہو، اس لئے آج کے دور میں حکمران ذاتی طور پر صالح ہونے کے باوجود اُس دستور و نظام کا تابع ہوتا ہے جو اسلام کا مقابل و مخالف ہے، اس لئے اُن کے خلاف قیام کو خروج علی الإمام نہیں، بلکہ خروج علی النظام کہا جائے گا۔

بھائی اسلم! اگر کوئی خروج کے لفظی معنی پر بھی سوچے تو وہ یہ کہے گا کہ موجودہ قیام خروج نہیں ہے، اس لئے کہ خروج فرع ہے دخول کا اور چونکہ اس نظام میں ہم داخل نہیں تو اس سے خروج کیسے ہو گا؟ پرانے زمانے میں جس چیز کو فقہاء کرام نے خروج کہا ہے وہ الگ چیز ہے، وہاں پر بنیادی نظام اور ڈھانچہ اسلامی ہوتا تھا، صرف شخص میں فسق متعدی آنے یا ظلم یا کفر کے تحقق پر مسئلہ خروج مبنی تھا، جبکہ آج کل تو بات بنیادی نظام کی ہے، جیسا کہ ہم نے اس مکالمے میں نظام، آئین اور قانون کو ثابت کیا کہ وہ غیر اسلامی اور کفری ہے۔

اسلم: بات تو ٹھیک ہے، لیکن خروج کے لئے تو استطاعت شرط ہے، تو کیا ہم میں وہ استطاعت ہے؟

خالد: آپ نے صحیح بات کی کہ خروج کے لئے استطاعت شرط ہے، لیکن آپ کو یہ پتہ ہے کہ وہ کونسے خروج کے لئے شرط ہے؟ وہ تو اُس خروج کے لئے ہے جو فسق کی وجہ سے ہو، اگر ہم اس کو یہاں بھی طاغوتی حکمرانوں کے خلاف خروج کے لئے شرط بنائیں تو اُمتِ مسلمہ ہمیشہ کے لئے اسلامی نظام سے محروم رہ کر کفری نظام کے تحت زندگی گزارنے پر مجبور ہو گی، کیونکہ ہمیں مطلوبہ استطاعت حاصلنہیں ہو سکتی، تو کیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں اور ان طواغیت کو کھلی چھٹی دیدیں۔

اسلم: ہر گز نہیں، کچھ نہ کچھ تو کرنا ہو گا۔

خالد: اب ہمیں (مسلمانانِ پاکستان) کیا کرنا چاہئے؟ اور اب تک کیا کیا ہے؟

اسلم: مختلف ذرائع سے غیر مسلح جدوجہد تو لوگ کر رہے ہیں ناں، اور مسلح جدوجہد کے بارے میں ان کی رائے یہی ہے کہ یہ کبھی کامیاب نہیں ہوئی، اس لئے ہم اس کے جواز کا فتویٰ نہیں دے سکتے۔

خالد: ماشاءاللہ! آپ بات وہاں لے گئے جہاں لیجانا چاہیے تھا۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر وہ کہتے ہیں کہ مسلح جدوجہد کبھی کامیاب نہیں ہوئی تو کیا ان کی غیر مسلح جدوجہد (جو خود عرصۂ دراز سے جاری ہے) کامیاب ہوئی ہے؟

اسلم: کافی فرق پڑا ہے، اگر ہم مزید کوشش کریں تو اور بھی بہتری آسکتی ہے۔

خالد: ہر گز نہیں، میرے دوست! آپ مجھے بتائیں کہ جب پاکستان بنا تھا اُس وقت سرکاری اور نجی سطح پر بے دینی زیادہ تھی یا اب؟

اسلم: اب تو بہت زیادہ ہے، پہلے گزارا تھا۔

خالد: تو تاریخی تجربہ ہمیں بتاتا ہے کہ پاکستان کے بننے سے لے کر آج تک جو جہدِ مسلسل ہوئی ہے اس نے کوئی فائدہ نہیں دیا، بلکہ اُلٹا نتیجہ دیا، کسی شخص نے بھی اُلٹے اور بالضد نتیجے کو فائدہ نہیں کہا ہے، بلکہ یہ تو واضح نقصان ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی ستر سالہ پالیسی پر نظرثانی کریں۔

اسلم: یہ بات تو ہے، لیکن اب کیا کرنا ہو گا؟

خالد: مسلمانانِ پاکستان کو خوابِ غفلت چھوڑ کر مجاہدین کے شانہ بشانہ میدانِ جنگ میں کودنا ہوگا، خروج کی شرائط تلاش کرنے کے بجائے جہاد کے فضائل و مسائل بیان کرنے ہوں گے، اگر شرائط ڈھونڈنے ہیں تو جہاد کے ڈھونڈنے ہوں گے، کیونکہ موجودہ قیام جہاد ہے، لہٰذا شرائط بھی جہاد کے درکار ہوں گے، اور وہ شرائط چونکہ موجود ہیں اس لئے اس وقت جہاد کرنا پڑے گا جب تک یہ کفری نظام قائم رہے اور جب تک شریعت قائم نہ ہو جائے۔

ایک بار پھر آپ کو بتاتا چلوں کہ خروج کی شرائط اس جہاد پر لاگو کرنا غلط ہے، اور یہ بھی غلط ہے کہ استطاعت نہ ہو تو خروج نہیں۔ مفتی تقی عثمانی صاحب نے تکملة فتح الملهم میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے زید بن علی کو خروج کے جواز کا فتویٰ دیا اور ان کی مالی اعانت بھی کی تھی، حالانکہ خود امام صاحب سے ان کے فتح یاب نہ ہونے اور اپنے والد صاحب کی طرح لوگوں کی طرف سے غدر کا شکار ہونے کا گمان بھی منقول ہے (اور ہوا بھی اسی طرح) لیکن امام صاحب نے نہ صرف یہ کہ آپ کو فتویٰ دیا، بلکہ آپ کے بعد ابراہیم اور محمد نفسِ زکیہ کی بھی تائید کی، اپنے متعلقین کو امر کیا کہ وہ ان کی صف میں کھڑے ہو کر ابو جعفر منصور کے خلاف جہاد کریں۔

بلکہ امام صاحب کے مسلک کے مطابق کفار کے خلاف جہاد کرنے سے مسلمانوں پر مسلط ظالم و جابر حکمرانوں کے خلاف خروج افضل ہے۔

میرا مطلب یہ ہے کہ امام صاحب کو باقاعدہ ظنِ غالب تھا کہ وہ (زید بن علی) کامیاب نہیں ہوں گے، لیکن پھر بھی انہوں نے ان کی تائید کی اور ان کو خروج کا فتویٰ دیا۔ لہٰذا کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ جب استطاعت نہ ہو تو خروج ٹھیک نہیں ہے، بلکہ اگر کوئی یوں کہے کہ افضل نہیں ہے تب تو کوئی توجیہ ممکن ہے۔

اسلم: اب مجھے بالکل دلی اطمینان ہوا، لیکن جو لوگ اس کو خروج کہتے ہیں اور قدرت کی شرط لگاتے ہیں، تو اس سے کتنی قوت مراد ہے؟

خالد: اس میں مختلف اقوال ہیں، صحیح قول یہ ہے کہ غالب گمان فتح کا ہو۔

اسلم: ہاں! ابھی مجھے پتہ چلا کہ جو لوگ فتویٰ نہیں دیتے وہ اس کو خروج قرار دیتے ہیں اور چونکہ ان کا غالب گمان فتح کا نہیں ہے، اس لئے وہ خروج کے حق میں فتویٰ دینے سے پیچھے ہٹتے ہیں۔

خالد: بالکل! لیکن یہ بھی ایک غلطی ہے، اس لئے کہ جو غالب گمان معتبر ہے اس کے بارے میں میرا سوال یہ ہے کہ وہ گمان کس کا معتبر ہو گا؟

1- حقیقت یہ ہے کہ غالب گمان ماہرِ فن کا معتبر ہوگا، پس جو شخص جنگی مہارت رکھتا ہو، اقسامِ جنگ سے واقف ہو، اور جنگی چالوں کو جانتا ہو، تو اس شخص کا گمان معتبر ہو گا اور یہ صرف یہاں نہیں، بلکہ اگر آپ دیکھیں تو کسی مریض کے لئے بطورِ علاج ادویۂ محرّمہ

کی تجویز، یا بعض افعال میں رخصت کو فقہاء نے حاذق حکیم کے کہنے کے ساتھ متعلق کیا ہے۔

2-دوسری بات یہ ہے کہ فقہاء (بالخصوص فقہائے احناف) کے نزدیک جب بھی مسئلہ غالب گمان اور رائے پر مبنی ہو جاتا ہے تو وہاں مبتلیٰ بہ (یعنی جو شخص خود مبتلا ہو) اس کی رائے کا اعتبار ہوتا ہے۔ اب یہاں پر (فتح اور شکست کے غالب گمان کا جو مسئلہ ہے) محاذ میں موجود مجاہدین کی رائے کا اعتبار ہوگا، نہ کہ میدانِ جنگ سے دور بیٹھے مفتیان اور خانقاہوں میں موجود صوفی حضرات کی رائے کا۔

اسلم: ماشاءاللہ! یہ تو ایک تحقیقی بات تھی، لیکن ہم تو یہاں اس کو خروج نہیں سمجھتے، اس لئے ہمارا تو ان شرائط سے کچھ واسطہ بھی نہیں ہے، لیکن بھائی خالد! میں نے آپ کے بارے میں سنا ہے کہ آپ پاکستان کو دارالحرب سمجھتے ہیں؟ اگر حقیقت یہی ہے تو یہ بات تو مجھے بڑی مشکل لگتی ہے کہ ثابت ہو جائے۔

خالد: اپنی تحقیق میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا، لیکن پہلے آپ بتائیں کہ آپ کا پاکستان کے بارے میں کیا خیال ہے؟

اسلم: بھائی جان! ہم نے تو سنا ہے کہ پاکستان دارالاسلام ہے۔

خالد: بس ٹھیک ہے ناں! دارالاسلام کی تعریف کر کے معلوم کریں گے کہ پاکستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب؟ میرے پیارے بھائی! دارالاسلام کی تعریف فقہاء نے یوں کی ہے: "المصر في ظاهر الرواية: أن يكون فيه قاضٍ ومفتٍ يُقيم الحدود وينفذ الأحكام".

ترجمہ: ظاہر الروایۃ میں مصر اس شہر کو کہا جاتا ہے جس میں قاضی اور مفتی ہو اور وہ اقامتِ حدود اور احکام نافذ کرتا ہو۔

اب آپ کو پتہ ہے کہ یہاں پر الحدود اور الأحكام میں الف ولام عہدی ہے اور معہود اس سے شرعی حدود اللہ اور شرعی احکام ہیں۔ اب کیا پاکستان میں اسی طرح ہے؟

اسلم: نہیں، نہ تو پاکستان میں سرکاری سطح پر کوئی قاضی موجود ہے اور نہ شرعی احکامات کا اجراء ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ بعض فقہاء نے تو صرف قدرتِ نفاذ کی شرط لگائی ہے، چنانچہ جب قدرت ہو تو دارالاسلام ہے اور جب نہ ہو تو دارالحرب ہے؟

خالد: لیکن بھائی! بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے متقدمین کی عبارت میں ''اجراء'' اور ''تجری'' جیسے الفاظ سے قدرت کا معنٰی لیا ہے، ایک تو یہ معنٰی ہرگز متبادر نہیں، اور بالفرض اگر اس سے مراد قدرت ہو تو اس پر بات کرتے ہیں، کہ قدرت سے کونسی قدرت مراد ہے؟

اگر قدرت سے مراد غیر مسلح سیاسی قدرت اور طاقت ہے تو اس کا تو تین بار تلخ تجربہ کیا گیا، اور دنیا میں محاورہ ہے کہ تیسری مرتبہ ہار کے بعد ہار مانی جاتی ہے۔ اب تین دفعہ اگر اسلام پسندوں نے اس بل کو پیش کیا ہے اور پاس نہیں ہوا تو اس کا صاف مطلب یہ نکلتا ہے کہ اس سے آگے ان میں طاقت نہیں۔ معلوم ہوا کہ ہم میں نفاذ کی غیر مسلح طاقت نہیں۔

اور اگر قدرت سے مسلح قدرت مراد ہے تو اب تک تو آپ یہ ماننے کے لئے تیار نہیں تھے کہ ہم صرف ان لوگوں کی طاقت کو توڑ سکتے ہیں جنہوں نے ہمارے اوپر وضعی قوانین مسلط کیے ہیں (جیسا کہ خروج کے لئے کہا جاتا ہے کہ ہم میں طاقتِ خروج نہیں ہے) ایک دفعہ ان قوانین کو توڑنا ہے پھر اسلامی قوانین کو نافذ کرنا ہے۔ اب جب کوئی اس کا قائل نہیں ہے کہ ہم میں اتنی طاقت ہے کہ ہم ان وضعی قوانین کا خاتمہ کریں، تو وہ کیسے مانے گا کہ ہم میں اسلامی قوانین کے نفاذ کی طاقت موجود ہے؟ اور اس طاقت کی وجہ سے ہم اس کو دار

الاسلام کہہ سکتے ہیں۔

اور جن فقہاء نے اسلامی احکام کے جاری ہونے کی تفسیر اجراء کی طاقت سے کی ہے، تو کم از کم اس مفہوم میں یہ شرط ضروری ہے کہ قوت فی الوقت موجود ہو اور وہ قوت یقینی ہو، اس لئے کہ لفظ اجراء کا تقاضا یہی ہے۔ اور یہ دونوں (قوت کا موجود ہونا اور یقینی ہونا) فی الحال نہیں ہے، اس لئے اس تفسیر کے مطابق بھی وطنِ عزیز دار الحرب ہی ہو گا۔

اسلم: لیکن اگر اس سے قوم کی طاقت مراد لی جائے؟

خالد: جی ہاں! میں بھی یہی مراد لیتا ہوں، لیکن ایک تو پوری قوم اسلام پسندوں کی طاقت نہیں ہے، اس لئے کہ قوم پارٹیوں میں تقسیم ہے اور بجائے اس کے کہ قوم ہماری قوت ہو، قوم کی بہت بڑی قوت ان لوگوں کے ہاں بھی جمع ہے جو اسلامی قوانین کے راستے میں رکاوٹ ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ وہ الیکشن میں اسلام پسندوں کے مقابلے میں بھاری اکثریت سے پارلیمنٹ میں آتے ہیں۔

اسلم: بالکل! لیکن اگر یہاں پر طاقت سے ان حکمرانوں کی طاقت مراد لی جائے کہ حکمران اور مقتدر طبقے میں نفاذ کی طاقت موجود ہے؟

خالد: یہ طاقت تو پھر امریکہ اور برطانیہ کے مقتدر طبقے میں بھی موجود ہے، پھر تو ہمیں وہاں بھی دار الاسلام کا حکم لگانا چاہیئے؟

اسلم: لیکن وہ تو کافر ہیں، اوبامہ اور نواز شریف میں تو بہت بڑا فرق ہے۔

خالد: اوہ میرے بھائی! کیا آپ ان حکمرانوں کو مسلمان سمجھتے ہیں جنہوں نے شریعت بل کو مسترد، نامنظور اور فیل کیا ہے، اور کیا یہ وہ نواز شریف نہیں ہے جس نے سود کی حرمت کے بارے میں شرعی کورٹ کا فیصلہ مسترد کیا تھا اور سپریم کورٹ میں اس کو چیلنج کر کے اس کو کالعدم قرار دیا؟

اسلم: بالکل وہی نواز شریر ہے۔

خالد: بس اب آپ خود سوچیں کہ ان کا کیا حکم ہے؟

اسلم: اب تو بعض علماء کا وہ قول کہ کسی ملک کے سربراہ کا مسلمان ہونا اس کے دار الاسلام ہونے کے لئے کافی ہے، بھی یہاں کچھ کام نہیں دیتا۔

خالد: بالکل! اور ساتھ ساتھ وہ بات بھی یاد رکھیں جو ہم نے پہلے عرض کی کہ جدید ریاستی نظام کی روشنی میں تو حاکم کا کوئی اعتبار ہی نہیں، بلکہ یہاں پر تو سٹیٹ اور ریاست کا اعتبار ہوتا ہے اور ریاستِ پاکستان کے غیر اسلامی ہونے کے بارے میں ہم نے پہلے تفصیلی گفتگو کی ہے، اگر آپ چاہیں تو دوبارہ ذکر کر دیتے ہیں؟

اسلم: بالکل بالکل! وہ میرے ذہن میں موجود ہے، ان تفصیلات میں اب جانے کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن میرے ذہن میں ایک سوال ہے کہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے: ''جبلِ دروز'' پر حاکم و رعیت دونوں عیسائی ہیں، لیکن وہاں پر اصل ہمارے حکمرانوں کی طاقت ہے، جب بھی وہ چاہیں تو ان پر اسلامی احکامات نافذ کر سکتے ہیں، اس لئے وہ دار الاسلام ہی شمار ہو گا۔

خالد: بالکل علامہ شامی کی بات ٹھیک ہے، وہاں پر حکام اور رعیت دونوں عیسائی ہیں اور نصرانی دین پر ان کے فیصلے ہوتے ہیں، اسلامی احکامات نافذ نہیں ہیں، لیکن اُس صورت اور موجودہ صورت میں فرق ہے کہ جہاں عوام مسلمان ہوں اور حکمران اسلام کا دعویٰ کرنے والے ہوں اور پھر انہوں نے اس مسلمان رعیت پر بذاتِ خود غیر اسلامی قوانین مسلط کیے ہوں، وہ آپ قیاس کرتے ہیں اُس صورت پر

جہاں پر عوام اور حکمران دونوں عیسائی ہوں اور وہاں نصرانی دین پر فیصلے مسلمان حکمران کی طرف سے نہیں بلکہ خود اُن حکمرانوں کی طرف سے ہوں جو عیسائی ہیں، صرف مسلمان حکمران کی طاقت وہاں پر ہے، لیکن وہ اس بارے میں خاموش ہے اور بالفعل انہوں نے اسلامی احکامات نافذ نہیں کیے ہیں۔ کیا یہ قیاس مع الفارق نہیں ؟

کسی کے لئے بالقوۃ عملِ صالح اُس وقت فائدہ دیتا ہے جب بالفعل اس کی ضد اس شخص سے سرزد نہ ہوئی ہو، اس لئے کہ وجود بالفعل وجود بالقوۃ سے قوی ہے اور وجود بالفعل کی موجودگی میں وجود بالقوۃ کا کوئی اعتبار نہیں، مثال کے طور پر کوئی مسلمان ہے اور اس کا ارادہ ہے کہ میں نمازِ ظہر ادا کروں گا۔ اب اگر یہ وقت آنے سے پہلے مر گیا تو اس کو نمازِ ظہر کا ثواب ملے گا، لیکن اگر نمازِ ظہر کا وقت آیا اور حضرت اپنی جگہ پر بیٹھا ہے وقت گزر گیا۔ کیا اب اس کو اس ارادے پر اجر ملے گا؟ قطعاً نہیں! اس لئے کہ اب ترکِ صلوۃ (جو اقامتِ صلوۃ کی ضد ہے، وہ) بالفعل موجود ہے اور جو ارادہ تھا اُسے تو صرف بالقوہ وجود حاصل تھا، ترک کے وجود بالفعل کے سامنے اب اس کی کوئی وقعت نہیں۔

اب دیکھیں! جن لوگوں سے بالقوۃ ہم یہ توقع لگائے ہوئے ہیں کہ یہ لوگ اسلامی احکامات نافذ کریں گے، خود انہوں نے ہم پر بالفعل غیر اسلامی احکامات نافذ کیے ہیں اور ساتھ میں بالفعل اسلامی احکامات کے نفاذ کے راستے میں رکاوٹ بھییں اور وہ رکاوٹ بھی غیر مسلح انداز میں نہیں، بلکہ مسلح رکاوٹ ہیں اور جو لوگ ان غیر اسلامی قوانین کے خلاف اٹھتے ہیں ان کے خلاف لڑتے ہیں، انہیں گرفتار کرکے جیلوں میں ڈالتے ہیں۔ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ ہم ان کے اس بالفعل عمل کو نظر انداز کرکے ان کے بالقوۃ عمل (کہ ممکن ہے کہ یہ اسلامی احکامات نافذ کریں گے) کی وجہ سے اس ملک کو دارالاسلام سمجھیں اور موجود بالفعل عمل (جو کہ غیر اسلامی قوانین کا نفاذ ہے، اس) کی وجہ سے اسے دارالحرب نہ کہہ سکیں!!

اسلم: میں آپ کے کلام کا خلاصہ کچھ یوں سمجھا ہوں کہ ''جبلِ دروز'' میں تو مسلمان حکمرانوں نے از خود غیر اسلامی قوانین نافذ نہیں کیے تھے، نیز وہاں کی رعیت بھی غیر مسلم تھی، لیکن پاکستان میں تو رعیت مسلمان ہیں اور حکمرانوں نے جبراً ان پر غیر اسلامی قوانین مسلط کیے ہیں، یقیناً یہ دونوں کے درمیان ایک واضح فرق ہے، چنانچہ ان حالات کو جبلِ دروز کے حالات پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہوگا۔

خالد: بالکل یہی بات ہے اور یہی مقصود ہے۔

اسلم: لیکن یہاں پر ایک اور مسئلہ ہے، وہ یہ کہ پاکستان میں تو ہمیں بہت سارے اسلامی اعمال (جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ) کی اجازت حاصل ہے، کیا اس وجہ سے ہم اس حکومت کو اسلامی حکومت اور اس ملک کو دارالاسلام نہیں کہہ سکتے ہیں؟

خالد: اس سوال کا جواب میں ایک سوال کی صورت میں دوں گا۔ سوال یہ ہے کہ جہاں پر اسلامی حکومت ہو وہاں عیسائیوں، یہودیوں، ہندوؤں اور دیگر غیر مسلموں کو انفرادی عبادت کی اجازت ہوتی ہے یا نہیں؟

اسلم: بالکل ہوتی ہے۔

خالد: کیا ان انفرادی اعمال کی وجہ سے ہم اس اسلامی حکومت کو عیسائی، یہودی، یا ہندو حکومت کہہ سکتے ہیں؟

اسلم: نعوذ باللہ! ہرگز نہیں۔

خالد: اسی طرح کسی غیر اسلامی حکومت میں اگر ہمیں انفرادی اعمال کی اجازت مل جائے اور وہ بھی ان کے رحم وکرم پر ہو، تو ہم اس کو اسلامی حکومت نہیں کہہ سکتے، جبکہ انہوں نے ہمارے دین کے نصف سے زائد قوانین کو ممنوع، مسترد، فیل اور نامنظور قرار دیا ہے۔

اسلم: بالکل ٹھیک ہے، لیکن امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک تو کوئی ملک دار الحرب تب بنتا ہے جب اس میں تین شرائط ہوں، اوّل یہ کہ اس میں کفری قوانین کا ظہور ہو، دوم یہ کہ دار الحرب اور اس کے درمیان دار الاسلام نہ ہو، سوم یہ کہ اس میں ذمی اور مسلمان کو امن سابق حاصل نہ ہو۔

خالد: لیکن یہاں پر فتویٰ صاحبین (یعنی امام ابویوسف اور امام محمد رحمہااللہ) کے قول پر ہے اور وہ یہ ہے کہ فقط احکامِ کفر کے اجراء سے کوئی ملک دار الحرب بن جاتا ہے۔

اسلم: ٹھیک، ٹھیک! مفتیٰ بہ قول یہی ہے، یعنی اب امام صاحب کے قول پر وطنِ عزیز دار الاسلام ہے اور صاحبین کے قول پر دار الحرب ہے۔

خالد: ہر گز نہیں! پاکستان امام صاحب کے قول کے مطابق بھی دار الحرب ہے۔

اسلم: وہ کیسے؟

خالد: اس طرح کہ میں آپ سے پوچھتا ہوں: کیا پاکستان میں غیر اسلامی احکامات جاری نہیں ہیں؟

اسلم: بالکل ہیں۔

خالد: اور کیا پاکستان کے ساتھ متصل ہندوستان دار الاسلام ہے؟

اسلم: نہیں۔

خالد: اسی طرح افغانستان جہاں پر امریکیوں کی حکومت ہے اور ایران جہاں پر روافض کی حکومت ہے وہ بھی دور الاسلام نہیں۔

اسلم: ٹھیک ہے۔

خالد: اور کیا مجاہدین ومہاجرین کو گرفتار کر کے امریکہ کے حوالہ کرنے اور انہیں شہید کرنے کے بعد بھی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسلمانوں کو یہاں اسلام کی وجہ سے امن حاصل ہے۔ امن اول سے مراد اسلام پر امن ہے، یعنی اس کو ایمان اور اسلام کی وجہ سے امن حاصل ہو اور وہ اسلام کے جمیع احکامات پر آزادی سے عمل کر سکتا ہو (كذا في جامع الرموز) پس اگر یہ آزادی کسی دوسرے کے رحم وکرم پر ہو تو پھر یہ آزادی امان اول نہیں جو اسلامی حکومت کے تحت حاصل ہوتی ہے، آج کے سیکولر نظام نے مسلمانوں کو انفرادی طور پر اپنے رحم وکرم سے اسلامی احکامات پر عمل کرنے کی آزادی دی ہے، جبکہ اجتماعی زندگی میں مسلمان اس نظام کے رحم وکرم پر ہیں۔ اگر اس کے اُصول اور ضابطۂ کار کے مطابق قانون پاس ہو جائے تو اُس حکم پر عمل کرنے کی آزادی مل سکتی ہے، لیکن اگر مسترد ہو جائے تو پھر آزادی مسلوب ہے۔ الغرض! یہاں پر اس آزادی کے لئے معیار خود اسلام اور اس کے احکامات کی قطعیت نہیں، بلکہ جمہوریت کا پروسیجر اور اکثریت ہے، اگر وہ پاس کریں تو آزادی ملے گی ورنہ نہیں۔

اسلم: نہیں، ہر گز مسلمانوں کو اجتماعی آزادی حاصل نہیں ہے۔ اور قریب میں کوئی دار الاسلام بھی نہیں جس سے یہ توقع کی جائے کہ

مسلمانوں پر ظلم ہونے کے وقت مدد بھیج دیگا، آج کل تو پوری دنیا پر اقوامِ متحدہ کا راج ہے اور وطنِ عزیز بھی اقوامِ متحدہ کے ممبر ممالک میں شامل ہے اور درمیان میں کوئی ایسا ملک نہیں ہے جو اقوامِ متحدہ اور اس کے درمیان حائل ہو کر اس کے تسلط سے بچائے اور خود اقوامِ متحدہ کا منشور اور انسانی حقوق کا چارٹر غیر اسلامی قوانین کا مجموعہ ہے، تو اقوامِ متحدہ میں شامل ہونے کی وجہ سے کوئی ملک درمیان میں ایسا نہیں ہے کہ اس کو دارالحرب ہونے سے بچائے۔

خالد: جب یہ امن نہیں ہے، تو ہم بر ملا کہہ سکتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بھی پاکستان دارالحرب ہے۔

اسلم: یعنی اب ہمارے تمام احناف کے نزدیک وطنِ عزیز دارالحرب بن چکا ہے، کیونکہ دارالحرب بننے کے لئے تینوں شرائط پوری ہیں۔

خالد: جی ہاں! لیکن، اگر تینوں شرائط پوری نہ بھی ہوں پھر بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ امام صاحب کے نزدیک پاکستان دارالحرب ہے۔

اسلم: سبحان اللہ! وہ کیسے؟

خالد: اس طرح کہ امام صاحب کے نزدیک مذکورہ تین شرائط مطلق دارالحرب کے لئے نہیں، بلکہ اس دارالحرب کے لیے ہیں جو دارالاسلام سے دارالحرب بنے، آپ دیکھتے نہیں: جن فتاویٰ میں بھی امام صاحبؒ کا یہ مبارک قول نقل کیا ہے وہاں پر ہے: "لا تصير دار الإسلام دار حرب إلا بشروط ثلاثة إلخ" [دارالاسلام دارالحرب نہیں بنتا مگر تین شرائط سے: احکامِ کفر (غیر اسلامی احکام) کے اجراء سے، دارالحرب کے اتصال سے اور جب مسلم اور ذمی اپنے امن اول پر باقی نہ رہیں] یعنی مذکورہ تینوں شرائط (جو امام صاحب سے منقول ہیں، وہ) شرائطِ کینونت نہیں ہیں بلکہ شرائطِ صیرورت ہیں۔

اسلم: تو اب پاکستان امام صاحب کے یہاں کیسے دارالحرب ٹھہرا؟

خالد: اس طرح کہ ہم پاکستان کی اصلیت معلوم کرتے ہیں کہ پاکستان اصل میں کیا تھا؟

اسلم: پاکستان اصل میں مغربی ہندوستان تھا۔

خالد: اور کیا ہندوستان کے بارے میں شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ کا فتویٰ نہیں تھا کہ ہندوستان دارالحرب ہے؟ (تفصیل کے لئے دیکھئے فتاوی عزیزیہ)

اسلم: اُن کا فتوی بھی تھا اور اُن کے بعد مولانا قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، شیخ الہند محمود حسن دیوبندی اور مولانا حسین احمد مدنی رحمہم اللہ نے بھی اس کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔

خالد: اب پاکستان (جو کہ ہندوستان کا جزو ہے، اس) کا حکم بھی ہندوستان کا ہوگا، اس لئے کہ للجزء حكم الكل. لہذا پاکستان حسبِ سابق دارالحرب ہی رہا۔

اسلم: لیکن جزو کے جدا ہونے کے بعد بھی؟

خالد: اب یہاں ہم وہ شرط ذکر کرتے ہیں جس کی وجہ سے کوئی ملک دارالحرب سے دارالاسلام بنتا ہے وہ فقط جُدا ہونا نہیں، بلکہ اس میں اسلامی احکامات کا اجراء لازم ہے، یہ شرط مبسوط سرخسی میں مذکور ہے۔ علامہ سرخسی رحمہ اللہ ایک جگہ خیبر کا حکم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: إنهم فتحوا ولم تجر أحكام الإسلام فيها بعد، وبمجرد الفتح قبل إجراء أحكام الإسلام لا تصير دار إسلام. (ج

10 ص 39)

اس سے اس بات کا بطلان بھی ثابت ہوتا ہے کہ دار الحرب کو دار الاسلام بنانے کے لئے صرف قوت کافی ہے، کیونکہ فتح قوت کی اظہر دلیل ہے اور اس وقت تک وہ دار الحرب ہے جب تک اس میں اسلامی احکامات جاری نہ ہوں۔

اسلم: اور بالکل پاکستان بننے کے بعد تو اسلامی احکامات نہیں بلکہ تعزیراتِ ہند و پاک نافذ ہوئے جو کہ غیر اسلامی قوانین ہیں۔

خالد: اب یہاں پر مجلۃ الاحکام کے اس قاعدے کے مطابق الأصل بقاء ما كان على ما كان اور القديم يترك على قدمه (اصل کسی چیز کو اپنی اصلی حالت پر چھوڑنا اور قدیم کو اپنی پہلی حالت پر چھوڑنا) وطنِ عزیز دار الحرب ہی ٹھہرا۔

اسلم: لیکن اگر یہ کہا جائے کہ یہاں پر بھی قوتِ نفاذ مراد ہے؟

خالد: وہاں پر تو صاف الفاظ اجراء کے آئے ہیں، اول تو یہ معنی لینا بالکل غیر متبادر ہے اور دوسرا یہ کہ قوت کو تو تین دفعہ آزمایا گیا، پاکستان بننے کے تقریباً ساٹھ سال ہوئے اور یہ اتنی مدت ہے جس میں بچے جوان اور پھر بوڑھے ہو جاتے ہیں اور اگر سوچا جائے تو یہ ایک شرعی عمر بھی ہے، یعنی پاکستان نے اپنی شرعی عمر پوری کی ہے اور اتنی مدت میں بھی سیاسی قوت کو اسلامی قوانین کے تنفیذ میں کامیاب نہیں ملی، اور کتنی مدت درکار ہے؟

اسی طرح قاعدہ: اليقين لا يزول بالشک کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ پورے ہندوستان یا ہندوستان کے ایک جزو (جس کے بارے میں یقینی طور پر دار الحرب ہونے کے فتاویٰ دیئے گئے تھے) کو صرف اس بناء پر دار الاسلام ثابت کرنا کہ قوتِ نفاذ موجود ہے، یہ ایک غیر یقینی بات ہے جو کسی طور پر یقینی دار الحرب کو دار الاسلام میں تبدیل کرنے کے لئے کافی نہیں۔ لہٰذا! اب اس کو سابق حکم پر رکھنا چاہئے کہ یہ دار الحرب ہے۔

اسلم: تو اب ہماری ذمہ داری کیا ہے؟

خالد: اب ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ اپنے اس ملک کو غیر اسلامی قوانین اور جمہوری نظام سے پاک کریں، دار الحرب سے اس کو دار الاسلام میں تبدیل کریں، اور ان لوگوں کے خلاف مسلح جہاد شروع کریں جو اسلامی نظام کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔

اسلم: جزاك الله خيرًا! یقیناً آپ نے میری اصلاح کی اور میرے شبہات کا ازالہ کیا، اب میں اپنی پوری طاقت اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے صَرف کروں گا، میں آج سے اس غیر اسلامی سسٹم سے براءت کا اعلان کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کرتا ہوں کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے قوانین سے رُوگردانی کی ہے اور جو غیر اسلامی قوانین کے علمبردار ہیں ان کے خلاف جان و مال کی قربانی دوں گا اور آج کے بعد ''شریعت یا شہادت'' میرا نعرہ ہو گا۔

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ

آمِيْنْ يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ